مقدمہ

شیخ محمد قیام الدین (قائم) چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام مختلف تذکرہ نویسوں نے کسی قدر اختلاف سے لکھا ہے۔ مثلاً میر صاحب اپنی (نکات الشعرا) میں اور میر حسن اپنے تذکرے میں محمد قائم لکھتے ہیں۔ علی ابراہیم اور 'لطف' نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ مصحفی نے قیام الدین علی لکھا ہے۔ کردیزی بھی محمد قائم ہی لکھتا ہے۔ کمال اور گارسان دتاسی قائم الدین بتاتے ہیں۔ لیکن اصل نام محمد قیام الدین ہی ہے، جیسا کہ خود انھوں نے اس تذکرے کے شروع میں لکھا ہے۔ میر صاحب اور مصحفی ان سے ذاتی طور پر واقف تھے۔۔

اگرچہ 'قائم' چاند پور کے رہنے والے تھے، لیکن ملازمت کے سلسلے میں "بدو شعور" سے اُن کا رہنا دلی میں ہوا۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں وہ شاہی توپ خانے کے داروغہ ہوگئے۔ چنانچہ یہ تذکرہ بھی اُسی زمانے میں لکھنا شروع کردیا تھا جب کہ ان کا قیام دلی میں تھا۔ جب وہ دلی پہنچے ہیں تو میر تقی، خواجہ میر درد، سودا وغیرہ جیسے باکمال اُستاد وہاں موجود تھے اور اردو شاعری شباب پر تھی۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں خواجہ میر درد سے اصلاح لی مگر کچھ دنوں بعد مرزا رفیع السودا کے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ "یہ اول شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے، اُن سے

ایسی بگڑی کہ ہجو کہی - تعجب یہ ہے کہ شاہ موصوف باوجودیکہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے مگر انھوں نے بھی ایک قطعہ اُن کے حق میں کہا - پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوے، اُن کے حق میں بھی کچھ سن کے الگ ہوے - پھر مرزا کی خدمت میں آے اور اُن سے پھرے، "مرزا تو مرزا تھے، انھوں نے سیدھا کیا" اگرچہ اس تذکرے میں انھوں نے میاں ہدایت اللہ 'ہدایت' اور خواجہ میر درد دونوں کی بہت تعریف کی ہے اور کہیں ملال کا اظہار نہیں کیا، لیکن اپنی شاگردی اور مشورے کا بھی ذکر نہیں کیا - البتہ ان کا دیوان دیکھنے پر ایک غزل میں یہ اشعار نظر آئے جن سے آزاد کے قول کی تصدیق ہوتی ہے -

حضرت درد کی خدمت میں میر ا... نے*
عرض کی یوں کہ اے اُستاد زماں سنتے ہو
امر ہووے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ہوا یہ کہ میاں سنتے ہو
راست ہوتے ہیں کسو سے بھی کبھی کج طینت
تیر بنتی ہے کہیں شاخ کماں سنتے ہو

مرزا کے حال میں بھی اگرچہ اپنی شاگردی کا اشارہ نہیں کرتے، مگر ذکر اس طرح سے کیا ہے جو ایک سعادت مند شاگرد کے شایاں ہے - اور اپنی غزل کے ایک مقطع میں تو صاف صاف اس کا اقرار کیا ہے :-

(قائم) یہ فیض حضرت (سودا) ہے ورنہ میں
طرحی غزل سے (میر) کے آتا تھا بر کہیں

---

* اصل نسخے میں اسی طرح لکھا ہے یہاں کوئی لفظ رہ گیا ہے -

لیکن کچھ عرصے بعد جب امورِ سلطنت میں اختلال پیدا ہوا اور امن و امان اور فارغ البالی جاتی رہی تو وہ باکمال بھی جن کی بدولت دلی دلی تھی، ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے اور وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی جان تھیں، خواب و خیال ہوگئیں - قائم بھی دل برداشتہ ہوکر وطن چلے آئے اور کچھ دنوں ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں کی سرکار میں بسر کی - مصحفی بھی اُن دنوں اسی سرکار کے متوسل تھے - دونوں کی ملاقات یہیں ہوئی - مصحفی لکھتے ہیں کہ اُس وقت وہ لباس درویشی میں تھے - نواب بڑی فیاضی سے اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے اور شعر و سخن سے خاص ذوق رکھتے تھے - چنانچہ قائم نے اپنی غزل کے ایک مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے :-

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے 'امیر'
مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اتنے

امیر، نواب محمد یار خاں کا تخلص تھا - تین ماہ سے زیادہ نہ رہنے پائے تھے کہ یہاں وہی انقلاب رونما ہوا جو ہندوستان میں اس وقت ہرجگہ بپا تھا - قائم مجبور ہوکر رام پور چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں والیٔ رام پور کے بیٹے احمد یار خاں نے اُن کی کچھ تنخواہ مقرر کردی اور فوجی خدمت انجام دیتے رہے - لیکن اس تنخواہ میں ان کی بسر نہ ہوتی تھی، جب زیادہ پریشان ہوے تو لکھنؤ پہنچے اور راجہ تکیت رائے سے اپنے وطن کے عامل کے نام شقےا اور پروانے حاصل کئے تاکہ اپنی قدیمی ملک اور یومیہ بحال کرائیں - اس میں

انھیں کامیابی ہوئی مگر رام پور پہنچتے ہی اجل نے آلیا اور سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کر گئے -

ان کے سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے - مصحفی نے وفات کا کوئی سنہ نہیں لکھا، صرف اتنا لکھا ہے کہ رام پور سے انتقال کی خبر پہنچی - مصحفی کا تذکرہ ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ ھ میں لکھا گیا ہے - علی ابراہیم (اور لطف) فیلن اور کریم الدین نے سنہ ۱۲۱۰ھ بتایا ہے - 'شیفتہ' اور بعض اور تذکرہ نویسوں نے بھی اسی کو نقل کر دیا ہے - گارسان دتاسی نے سنہ ۱۲۰۷ ھ لکھا ہے - 'جرأت' نے 'قائم' کے انتقال کی تاریخ اس شعر سے نکالی ہے :—

جرات نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات   یکتائی کے ساتھ
'قائم' بنیاد شعر ہندی نرہی   کیا کہئے اب آہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۰۸ ھ ہی نکلتے ہیں اور یہی صحیح ہے —

'قائم' کی شاعری کی سب تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے اور اکثر نے میر و مرزا کے بعد اسی کو مانا ہے - بعض تو اسے 'سودا' سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں - مصحفی لکھتے ہیں:—

" در پختگئی کلام و چستی مصراع غزل و رویۂ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ می رود، بلکہ در بعضے مقام غلبہ می جوید " —

علی ابراہیم یا لطف کہتے ہیں :—

" سچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی

ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے ، راقم آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے نہایت مرغوب ہے "۔

آزاد کی رائے ہے کہ

" ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے نیچے نہیں رکھہ سکتے مگر کیا کیجیے کہ قبول عام کچھہ اور شے ہے ، شہرت نہ پائی "۔

میر ' حسن ' فرماتے ہیں کہ

"طرزش بطرز طالب آملی میماند۔ مثنوی ہا بسیار گفتہ و بسے در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ"۔

کریم الدین (فیلن) کی رائے ہے کہ

" عجب طرح کا شاعر خوش گفتار ، بلند مرتبہ ، موزوں طبع ، عالی مقدار ہے کہ اس کی برابری اچھے اچھے شاعر نہیں کر سکتے .... بعض بعض آدمی جو کہ اس کو ' سودا ' سے بہتر کہتے ہیں ، حق یہ ہے کہ سچے ہیں اور بعضے کم مایہ اور بے استعداد جو اس کو برابر ' سودا ' کے گنتے ہیں خیال سودا اور دیوانگی کا کرتے ہیں "۔

بخلاف اس کے شیفتہ کی رائے میں انہیں ' سودا ' کا ہم پلہ سمجھنا سودا ہے ۔ البتہ وہ ان کے قطعات و رباعیات کی بہت تعریف کرتے ہیں ۔

اس میں شک نہیں کہ ' قائم ' بہت بڑا شاعر ہے ، لیکن اسے میر و مرزا کا ہم رتبہ کہنا سراسر ناانصافی ہے ۔ اس کا

کلام ہر صنف میں موجود ہے۔ غزلی، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، ترکیب بند، تاریخ سب کچھ کہا ہے۔ ہجو کہنے اور فحش بکنے میں وہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہے۔ متعدد مثنویاں لکھی ہیں، جن میں بعض قصے سلیقے سے نظم کئے ہیں، قصیدوں میں بھی زور پایا جاتا ہے —

اکثر تذکرہ نویسوں نے اُن کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے، جو اب تک نایاب تھا اور اب شائع کیا جاتا ہے۔ 'قائم' کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعرائے ریختہ کے بیان میں نہیں لکھا گیا۔ یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس سے دو چار سال قبل میر تقی میر اور علی الحسینی الگردیزی نے اپنے تذکرے لکھے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ 'قائم' کو ان تذکروں کی اطلاع نہ تھی، لیکن ڈاکٹر شپرنگر کا یہ کہنا کہ 'قائم' نے جو اقتباسات ریختے کے شاعروں کے دیے ہیں، وہ وہی ہیں جو گردیزي کے تذکرے میں پائے جاتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ دونوں تذکرے ہمارے سامنے ہیں، اشعار کے انتخابات اور حالات دونوں مختلف ہیں —

خواجہ اکرم نے اس تذکرے کے لئے ایک قطعۂ تاریخی لکھا تھا جس میں مادۂ تاریخ ''مخزن نکات'' تھا، 'قائم' کو یہ مادہ پسند آیا اور تذکرے کا یہی نام رکھ دیا۔ اس سے سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ نکلتاہے۔ اس میں 'قائم' سوبیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے۔ اگرچہ یہ تذکرہ مختصر ہے، مگر بعض حالات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ قائم نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقۂ اول میں متقدمین کا، طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور

طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے - اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے، لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"باید دانست کہ چوں فن ریختہ درآں وقت از محل اعتبار ساقط بود، بناءاً علیہ ہیچ کس بر تو غل آں اقدام نمی نمود، ایں دوسہ چار بیت کذائی کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے نظمش ہزلے بیش نباشد، اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں بہ صحبت و سواسا پیش می آمد، ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت" —

اگر چہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے اس کی ابتدا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ خود بڑے شاعر گزرے ہیں، تاہم 'قائم' نے دکھنی ریختے کو خاص اہمیت دی ہے - اگرچہ وہ اس شاعری کے زیادہ قائل نہ تھے، چنانچہ ان کا شعر مشہور ہے:—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

قائم نے طبقۂ اول کی ابتدا شیخ سعدی شیرازی سے کی ہے اور لکھا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جب شیخ سعدی گجرات میں تشریف لائے اور جیسا کہ 'بوستاں' میں مذکور ہے سومنات کی مجاوری تو یہاں زبان سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں - اگر چہ یہ صحیح نہیں

معلوم ہوتا، لیکن سعدی کے نام سے جو ایک مشہور غزل فارسی اردو کی ملی جلی چلی آرہی ہے، اس کی نسبت عام طور پر یہی خیال تھا کہ شیخ سعدی شیرازی کی تصنیف ہے۔ میر صاحب نے اپنے تذکرے میں اس خیال کی تردید کی ہے۔ سعدی کے بعد امیر خسرو کا ذکر کیا ہے اور پھر دوسرے قدیم شعرا کا۔

ہر طبقے کے شروع میں اُس طبقے کے شعرا کی خصوصیات کا مختصر ذکر کر دیا ہے اور اُن کی رائے اس بارے میں بہت خوب اور صائب ہے۔ بعض بعض شعرا کے کلام کے متعلق بھی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بہت کم ہے۔ اس خصوص میں میر صاحب کے تذکرے کو فوقیت حاصل ہے۔ بیان صاف اور سیدھا ہے، عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ہے۔ تذکرے کے آخر میں قائم نے اپنا ذکر بھی مختصر طور پر کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ہر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تا بایں حال بتوسل نوکری بادشاہی بدارالخلافت شاہجہاں آباد گذرا ندہ"۔ اس سے زیادہ اس تذکرے میں ان کے حالات کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے رخصت ہونے سے قبل ہی یہ تذکرہ تحریر میں آگیا تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی وہ لکھتے ہیں کہ شاہی انتظام میں خلل آجانے کی وجہ سے میں نے سفر کا ارادہ مصمم کر لیا تھا، لہذا فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان حالات کو قلم بند کرنا شروع کر دیا۔

قائم کی شاعری کے ساتھ یہ تذکرہ بھی بلا شبہ قابل قدر ہے اور اس سے اردو شعرا کے حالات اور کلام کے متعلق بصیرت

حاصل ہوتی ہے —

قائم نے اپنے تذکرے کے ساتھہ اپنے کلام کا انتخاب بھی دیا ہے ' لیکن یہ انتخاب بہت ہی کم ہے اور وہ بھی الف کے چند شعر ہیں - اس لئے ہم یہاں اس کے کلام سے کچھہ اور اشعار بھی درج کرتے ہیں تا کہ سخن فہم اُس کے کلام کی خوبی کا اندازہ کر سکیں —

لیکن انتخاب سے قبل ایک بات میں اور کہناچاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض نظمیں سودا اوو قائم دونوں کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں - مثلاً موسم سرما کے ہجو میں جو مثنوی ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دونوں کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہے - لیکن یہ نظم غالباً سودا کی ہے کیونکہ اسی کے ساتھہ کی دوسری مثنوی موسم گرما کے ہجو میں موجود ہے - لیکن میر حسن کے تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے 'قائم' ہی کی مثنوی خیال کرتے ہیں - ایک اور طویل عشقیہ مثنوی جس کا پہلا شعر یہ ہے :—

الہی شعلہ زن کر آتش دل تب دل دے بقدر خواہش دل

لطف یہ ہے کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے - اس سے صحیح فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے - مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی سے سودا کے کلیات میں درج ہوگئی ہے - اسی طرح اور کئی مثنویاں

جن میں چھوٹے چھوٹے قصے اور حکایتیں منظوم کی ہیں دونوں کے کلام میں مشترک پائی جاتی ہیں —

انتخاب

قائم کے پہلے تین شعر عام طور پر مشہور ہیں اور بہت مقبول ہوے ہیں :-

درد دل کچھہ کہا نہیں جاتا   آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

*کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
کچھہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت کو دیکھہ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھہ دور اپنے ہاتھہ سے جب بام رہ گیا
نے تجھہ پہ وہ بہار رہی اور نہ یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا

اٹھہ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دریا ہی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام سے کسو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
ایسی ہوا میں پاس نہ ساقی نہ جام مے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا
اس دشت پر سراب میں بھٹکے بہت پہ حیف
دیکھا تو دو قدم پہ ٹھکانا تھا آب کا

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا   تیر سا کچھہ دل سے گزر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوں میں   قافلۂ عمر سفر کر گیا

---

* (ن) ٹوٹا جو کعبہ کون یہ —

چھپ کے ترے کوچے سے گزرا میں لیک — نالہ ایک عالم کو خبر کر گیا

قا بفلک نالہ تو پہنچا تھا رات — میں ہی کچھہ اللہ کا ڈر کر گیا

پوچھہ نہ قائم کٹی کیونکر عمر — جوں ہوا یک چند بسر کر گیا

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب 'قائم'
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا

برنگ طائر نو ہم اسیر اے صیاد
وہ ہیں کہ جن کا گلوں بیچ آشیانا تھا
معاملہ یہ ہے دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پیامبر کے ہمیں آپ ساتھہ جانا تھا
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوائے دوستی لیکن
کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

رہبر فرقۂ اسلام رہا ساری عمر
حیف پر یہ ہے کہ میں آپ مسلماں نہ ہوا
دیکھہ مجکو کہ سلیماں کا دیا زور مجھے
ایک چیونٹی سے یہ میں دست و گریباں نہ ہوا
تھا گل تازہ میں پر حیف کہ بخت بد سے
زینت گوشۂ دستار عزیزاں نہ ہوا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گرفتہ طبع جو مجھ سا چھٹا قفس سے تو کیا
رہائی جس کی اسیری کا ننگ ہے صیاد
نہ گل بجا نہ بلبل چمن میں نغمہ سرا
مری خلاصی میں اب کیا درنگ ہے صیاد
قفس کی تنگی سے میں ہی نہ تنگ ہوں 'قائم'
مری بھی تنگیٔ حالت سے تنگ ہے صیاد

کی کس کی نگاہوں نے یہ تاثیر ہوا پر
چلتی ہے جو یہ برق سی شمشیر ہوا پر
جی میں ہے' میاں آج نگہ کی تری تڑپھن
کیجے قلم برق سے تحریر ہوا پر
مت قصر کو ہستی کے گرا' دیکھ کہ غافل
مانند حباب اُس کی ہے تعمیر ہوا پر
کب بند ہوں بہ رنگ تعلق میں سبک روح
کھنچتی ہے کوئی رنگ سے تصویر ہوا پر

بے شغل نہ زندگی بسر کر — گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری — ہوئی صبح فسانہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرضی ہے زندگی بھی — اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

نہیں کھیتا میں دل ترک تمنا یہ جتنی ہو سکے اتنی ہوس کر
فریب باغباں پر ہو کے غافل نہ اے بلبل اکٹھے خاروخس کر
بہار عمر ہے 'قائم' کوئی دن اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

ہے بے اثر ایسی ہی جو اپنی کشش دل
جی لے ہی کے چھوڑے گی یہ ایک دن خلش دل
تھا فیہو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
لے جائے نہ گھر سے کہیں باہر طپش دل
زہر آب و ہلاہل سے جو کچھ کام نہ نکلا
دے کر کے میں کی خون جگر پرورش دل
کس طرح کوئی گذرے ترے رہ سے پیارے
ہر گام پر اس کوچے میں ہے چپقلش دل
ہاتھوں سے دل و دیدہ کے آیا ہوں بہت تنگ
آنکھوں کو روؤں یا میں کروں سرزنش دل

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم پھر تجکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی سیں پر یہ بھی سہی نہ آئیں گے ہم
جو آگے کہا کئے ہیں تجھ سے سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
آزردہ ہو غیر سے' لڑو یہاں اس عہدے سے بر نہ آئیں گے ہم
گرزیست ہے تجھ تلک تو پھر کہا صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سر شتہ جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
اس پر بھی اگر ملیں گے تو خیر 'قائم' ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

'قائم' جگہ ہے رونے کی یہ حالت تباہ
اس صحن گلستاں کے وہ ہیں دل فگار ہم
کھٹکا صبا کے پانوؐ کا سن کر برنگ بو
آغوش گل میں ہوتے تھے نت بے قرار ہم
کیا جانتے تھے ہم کہ یہ اک دن بہے گی باو
اس مرتبہ کو ہوئیں گے بے اقتدار ہم

میرا سا لب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کترروں ہوں سورنگ کے میں طرز سخن میں
غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قاصد
زنہار نہ کہیو اسے یاران وطن میں

ایک جا گہ یہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
پائے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا
جس نے دیکھا تجھے یک بار سر بام کہیں
عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
عزم کعبے کا تو 'قائم' تو کیا ہے لیکن
دھن سے کہیو نہ وہاں جامۂ احرام کہیں

ایک آب و تاب مہ و آفتاب رکھتے ہیں
یہ روکشی کی تری کب وہ تاب رکھتے ہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم ایک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

حسن معنی چاہئے ترئین ظاہر ہیچ ہے
کیا کرے اس گل کولے کے کوی کہ جس میں بو نہیں
مد توں اہل حرم پر حکم رانی کی ہے یہاں
کیا ہوا گر بت کدے میں آج ہم کو رو نہیں
خو برو دو دن کسی کے ساتھہ کر لیں اختلاط
پر جو یہ چا ہو کہ یہ ہوویں کسو کے سو نہیں
وضع دوراں کو خو شامد دوست ہے 'قائم' تو ہو
ہر کس و ناکس سے دب چلتا یہ اپنی خو نہیں

ہم سری اس قد رعنا سے ہے اے سرو غلط
تو بہی ہر چند ہے موزوں پہ یہ انداز کہاں
دل سے رخصت ہو بس اے خواہش گلگشت کہ اب
تاب رفتار کدہر' طاقت پرواز کہاں
ہمت عشق نہ ہو حسن خط و خال میں بند
صید ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہاں
'قائم' اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کہلے نالے سے جس کے وہ ہم آواز کہاں

غیر اس کے کہ خوب روئیے' اور غم دل کا کوئی علاج نہیں
اب بہی قیمت ہے دل کی گوشۂ چشم اتنی یہ جنس بے رواج نہیں

کرنہ جرات تو اے طبیب کہ یہ دل کا دھڑکا ہے اختلاج نہیں
دو جہاں بھی ملے تو بس ہے ہمیں یہاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

مجلس مے سے مشابہ ہے خرابات جہاں
جان کر یہاں جو نہ ہو مست وہ ہشیار نہیں
مے کشی توبہ کو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

جو کوئی در پہ ترے بیٹھے ہیں دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
جوں نم اشک، تو کس سے ہے خفا یہاں کوئی پل میں گرے بیٹھے ہیں
درد دل کیونکر کہوں میں اس سے ہر طرف لوگ گھرے بیٹھے ہیں

کہاں کا غرۂ شوال کیسا عشرۂ ذی حج کا
ہمیں ہاتھ آئے مے جس دن ہم اُس دن عید کرتے ہیں
مزاج خس ہے اہل عشق کا جلنے کے عالم میں
جلاتا ہے جو اُن کو اس کی یہ تائید کرتے ہیں
یہ کاسہ سر تلے رکھے جو میخانوں میں سوتے ہیں
جسے چاہیں اُسے اک جام میں جمشید کرتے ہیں
جنہیں کچھ سلسلہ میں عشق کے تحقیق حاصل ہے
وہ کب مجنوں سے ہر گمراہ کی تقلید کرتے ہیں
نہ جانے کہئے کس قالب میں 'قائم' درد دل اُس سے
نہیں بنتی زباں سے دل میں جو تمہید کرتے ہیں

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھو جو روئے ہیں خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مرچکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لیے
حباب وار ٹک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

جوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں
تک منتظر جنبش باد سحری ہوں

جاتا ہوں' میں جیدھر کو وہ منہ پھیرے ہے مجھ سے
گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں

نے گریۂ شب ہوں میں نہ آہ سحری ہوں
جوں بانگ جرس نیم نفس بے اثری ہوں

دیکھا نہ میں جز سایۂ بازوے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

میں پیرہن اپنے میں سماتا نہیں جوں گل
جس وقت سے آمادہ پئے جامہ دری ہوں

سو خضر سے کم حوصلہ وہاں جی سے گئے ہیں
جس دشت خطرناک کا میں رہ گزری ہوں

جوں سرو رکھا سنگ جفاسے مجھے آزاد
مرہون تیرا جی سے میں اے بے ثمری ہوں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں　　یہاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تا کہا امتحان صبر کہ شوخ / دل ہے آخر یہ کچھ جماد نہیں

سچ ہیں سارے کمال حضرت شیخ / لیک دل کو کچھ اعتقاد نہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات / ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

ہوجئے کس سے داد خواہ بتاں / اس ستم کی جہاں میں داد نہیں

یار اگر چاہتا ہے دے 'قائم' / جان کچھ دل سے تو زیاد نہیں

جوں شیشہ بھرا ہوں مے سے لیکن / مستی سے میں اپنی بےخبر ہوں

جو کہئے سو یہاں سے ہے فروتر / کہا جانے میں کس مقام پر ہوں

کونسا دن کہ مجھے اس سے ملاقات نہیں

لیک جی چاہے ہے جوں ملنے کو وہ بات نہیں

ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میاں

سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

عبث ہیں ناصحا ہم سے زخود رفتوں کی تدبیریں

رکے ہے بحر کب گو موج سے ہوں لاکھ زنجیریں

ہماری آہ سے آگے تو پتھر موم ہوتے تھے

یہ کیا جانے وہ اب کیدھر گئیں نالے کی تاثیریں

گریباں کی تو 'قائم' مدتوں دھجئیں اڑائی ہیں

یہ خاطر جمع اس دن ہوے جب سینے کو ہم چیریں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
'قائم' یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

یوں ہیں رنجش ہو اور گلا بھی یوں ہیں
ہو چے ہر بات پر خفا بھی یوں ہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھاگیا یہ طور
واقعی یہ کہ ہے مزا بھی یوں ہیں
صید کنجشک سے نہ ہاتھہ اُٹھا
آکے پھنس جائے ہے ہما بھی یوں ہیں
کیوں نہ روؤں میں دیکھہ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یوں ہیں

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں*

کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
پہ ناز کرنے کو انساں میں کچھہ کمال بھی ہو

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھہ گل کے رنگ و بو کا
ایک اُنس ہوگیا تھا اس گلستاں سے مجکو

* (ن) گل چھڑیاں

تک تو خاموش رکھو منہ میں زباں سلتے ہو
! پلی ہی کہتے ہو میری بھی میاں سلتے ہو
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سلتے ہو
خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتش عشق
بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سلتے ہو

کچھ لکھوں سوز دل اپنے سے اُسے اے قاصد
جائے کاغذ ہو اگر بال و پر پروانہ
شمع تک جاتے تو دیکھا تھا میں اس کو 'قائم'
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ
'قائم' سمجھ کے بولیو تو آپ کے حضور
پیارے معاملت ہے سخن آشنا کے ساتھ

یک شب دیکھی جن نے وہ زلف — لاکھوں دیکھے روز سیاہ
اٹھنی تو مت ہو جان نسیم — ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندی ہے دل پر برق سی آج — پڑھی نظر ہے کس کی نگاہ
وعدہ کر کے رات کا تم — خوب ہی آئے واہ جی واہ
'قائم' سے کوئی ہوئے خفا — بندۂ خادم دولت خواہ

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

روے اس غم کدہ میں آج کس کس کو یہاں
دیکھتے نظروں کے اپنے اک خدائی کیا ہوئی
گو کسی حالت میں ہو میں سمجھوں ہوں تجھے
ہے تو تو وہی پہ تیری کبریائی کیا ہوئی

جوں موج میرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ بھری گود میری لخت جگر سے
وہ خار یتیمی زدہ اس دشت میں میں ہوں
پالا ہے جسے آبلہ نے خون جگر سے

دمبدم اس بخشش بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ
دل دیا تجکو تو ہم نے کچھہ گنہ گاری نہ کی

اگرچہ صبح تلک ہمدگر تھے گرم سخن
پہ کہہ سکا نہ کچھہ اس سے میں بات مطلب کی
سوائے دل شکنی سب مباح ہے یہاں شیخ
خبر نہیں تجھے رندوں کے دین و مذہب کی
سوال بوسہ جو 'قائم' کیا میں شب تو کہا
کہ کہیے چھیڑ کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جنوں کی رونق
اب بھی کوچوں میں کہیں شور فغاں سنتے ہو

میں کہا خلق تمھاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھ ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یوں بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصل حبیب کو
یا رب کہیں ہو صبر دل ناشکیب کو
وے بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تم کو ربط
کیا شکوہ تم سے، روئیے اپنے نصیب کو

بھول کر بھی وہ نہیں یاد سے جاتا اپنی
جان کر یاد سے جن نے کہ بھلایا مجکو
کچھ تو تھی بات خلل کی کہ شب ان نے محرم
غیر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجکو

جی میں چھلیں تھیں جو کچھ سو گئیں وہ یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ
میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جاے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
یا رو کہتے تھے جو تم لالہ و گل ہے سو کہاں
سر پٹکنے تو نہ آیا تھا میں کہسار کے ساتھ

ہائے صیاد یہ انصاف سے تیرے ہے بعید
یہاں تلک کیجئے ستم اپنے گرفتار کے ساتھہ
گرچہ بلبل ہوں میں 'قائم' ولے اس باغ کے بیچ
فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھہ

آج اگر بزم میں ہے کچھہ اثر پروانہ
اڑتے ہیں پائے لگن چند پر پروانہ
آتش عشق میں جلنا نہیں ہے کار آساں
ہر مگس سے نہ طلب کر جگر پروانہ
وضع پر اپنے ہے یہاں شادی و غم ہر یک کا
شام ماتم سے ہے کیا کم سحر پروانہ

ہم نشیں ذکر یار کر کچھہ آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل مژہ تک پہنچ چکا جوں اشک اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
آج 'قائم' کے شعر ہم نے سنے ہاں ایک انداز تو نکلتا ہے

جوں طفل سرشک ارغوانی پامال ہوئی مری جوانی
ہر سانس گراں ہے تن پہ میرے اللہ رے ضعف و ناتوانی
دو چیز ہیں یادگار دوراں تیرا ستم اپنی جانفشانی
ہے رشک مجھے یہاں تک گو تجھسے کہے مری زبانی

وہ دن گئے کہ لو ہو آتا تھا چشم تر سے
اب لخت دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

غافل قدم کو اپنے رکھیو سنبھال کر یہاں
ہر سنگ رہگذر کا دوکان شیشہ گر ہے

کب نالہ بلائے جان نہیں ہے کب آفت دل فغاں نہیں ہے
کب چشم پہ فتنہ گوار نہیں خواب کب دل پہ نفس گراں نہیں ہے
ہے کونسا دم کہ تازہ نوحہ سر جوش لب و دہاں نہیں ہے
کس دن نہ دل ہرنگ اخگر صد آتش غم نہاں نہیں
کب رات ہوی کہ چشم ترسے جو نالۂ دل رواں نہیں ہے
سب کچھ ہے جو چاہئے مگر صبر ایک جنس ہے وہ کہ یہاں نہیں ہے
بس تابکجا اٹھائیں یہ غم کیا ہم ہیں تو ہم میں جان نہیں ہے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
سو بات کہوں پر اس کے آگے گویا منہ میں زباں نہیں ہے
'قائم' سا عزیز خوار ہو حیف کوئی ہند میں قدرداں نہیں ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے
فلک رلائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
ہزار حیف کہ گلچیں ہے اس جگہ گستاخ
میں جس چمن میں یہ چاہوں تھا یہاں صبا نہ پھرے

تمہی خبر بھی کہ رات پیارے تم غیر کی گفتگو نہ سمجھے
سمجھو گے ہمارے بعد ہمکو پر حیف کہ روبرو نہ سمجھے

ایک عرض تو تھی پر اُس سے پیارے | کیا کہئے جو بات کو نہ سمجھے
قسمت کہ وہ چارہ گر اپنا | جو زخم سے تا رفو نہ سمجھے
سو حرف ہیں خامشی میں لیکن | اس بات کو ہرزہ گو نہ سمجھے
شایاں چمن نہیں وہ بلبل | ہر گل کا جو رنگ و بو نہ سمجھے
سمجھا رہے ہم تو تجھکو 'قائم' | پھر کیجئے کیا جو تو نہ سمجھے

قطعات و رباعیات کی اگرچہ شیفتہ نے تعریف کی ہے لیکن وہ ایسے زیادہ تعریف کے قابل نہیں ، اُن میں زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر اور تلازمے سے مضمون پیدا کئے ہیں - نمونے کے طور پر ایک قطعہ اور ایک رباعی درج کی جاتی ہے —

رباعی

قائم جو تو نواب سے دکھہ پایا ہے | کچھ بھڑوے کو جو زباں پر آیا ہے
سرمہ نہیں کھایا کہ رہیگا خاموش | کھایا ہے اگر تو تو، نمک کھایا ہے

قطعہ

اندازہ نگاہ رکھہ سخن میں | یعنے جو کہے ہے نیک کہہ تو
دو گوش ترے ہیں اور زباں ایک | تا دو نہ سنے نہ ایک کہہ تو

عبدالحق
سکریٹری انجمن ترقی اُردو
اورنگ آباد (دکن)

فہرست مضامین

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	نل بن	نل دہن	۲۱	۱۱	انجبا	نجبا	۴۶	۱۳	بواجی	نواجی
۳	۱۸	ہنرنے	ہنرلے	۲۴	۱۳	ہمنش	ہمتش	۴۱	۹	دیکھنے دیکھنے	دیکھی دیکھی
۸	۲	تبنغ	تتبع	۳۴	۱۷	ہل ہاہی	ہل ہاہے	۴۶	۱	برسرروش	برسردوش
۹	۱۵	زاہد	زہد	۳۵	۱۷ اور ۱۸	بادودیتہا	بادیتہا باد	۴۹	۱۰	سلامنش	سلامتش
۱۳	۵	کہربسر	کھربسر	۳۶	حاشیہ محاذ	ہکستاں بیاد	×	۷۰	حاشیہ ۹	نظیر	×
۱۹	۱۱	کھیا	کھیسا	۳۷	۶	زانوں کو	راتوں کو	۷۲	۳	اور درخلو	اور درخلوت

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفرین کہ بنائے مصرع موزون قامت خوبان گراشتہ اوست و بیت ناخن بدن ابروئے محبوبان کہ دل از دست می برد نگاشتہ او و تحف تحیات بجناب رسالت مآب کہ ناظم حقیقی دیوان کائنات را بمصداق کلام صدق التیام لولاک بہ یمن ذات مبارکش تدوین نمودہ و رباعی مدارج اربعہ را با چہار یار رش کہ چو مصراع رباعی عناصر باعث قیام عالم از حسن تزئین فرمودہ بضمیر مہر تنویر سخن طرازان ہندوستان و طوطیان شکر شکن این بوستان مخفی و محتجب نماند کہ تا الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتابے تصنیف نگردیدہ و با این زبان ہیچ انسانی از ما جرائے شوق افزائے سخنوران این فن سطرے تالیف نرسانیدہ بنا بر این فقیر مؤلف محمد قیام الدین قائم بعد کوشش تام و سعی تمام دواوین این اعزہ فراہم آوردہ پارہ ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض کہ بمخزن نکات موسوم است بقید قلم در آوردہ برائے امتیاز طرز کلام طبقات علیحدہ کہ تفصیل آن پیشتر است ترکیب دادہ شاید کہ مقبول خاطر خطیر صاحبدلے گردد یا در نظر دالا نظرے منظور افتد بہر حال التماس بجماعت سخن شناس آنست کہ این ہیچمدان را بجلدوئے

این خدمت بدعائے خیر یاد فرمایند واز خطائے رفتہ کہ خواص بشری است اغماض
نمایند مصرع کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

طبقہ اول

طبقۂ اوّل۔ در بیان اشعار شعرائے متقدمین۔
طبقۂ دوم در ذکر کلام سخنوران متوسطین۔
طبقۂ سوم در بیان اشعار و احوال سخن طرازان متاخرین
طبقۂ اول اتفاق جمہور برآں است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف گجرات تشریف آوروند بسبب مجاورت سومنات چنانکہ در نسخۂ بوستان مذکور است بزبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو غزل ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد مع دیگر ابیات بر سبیل تفنن ارشاد فرمودند بعد ازاں حضرت امیر برہماں بناطراحی و تعمیرہائے بسیار بکار بردند ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویان حال است لیکن بپاس طبیعت شائقاں ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں انتخاب تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی مے گردد واز احوال ایں ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخین سلف در کتب تواریخ متداولہ ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس و ابین من الامس است ؎

اے مرومان شہر شما کیسی بری یہ ریت ہے ہے ہے نمی پرسد کسے پردیسیا ماریت ہے
سعدی طرح انگیختہ شہد و شکر آمیختہ در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

خسرو
زرگر پسر چو ماہ پارہ کچھ گھڑیئے سنواریئے پکارا
نقد دل من ربود و بشکست آخر نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

جامع فضائلِ معنوی و صوری حقیقت آگاه ملا نوری از قاضی زادہ ہائے قصبۂ اعظم پور است در فنِ بدیع و معما سر آمد روزگار خود بود و شعر فارسی بسیار بر تبہ می گفت چنانچہ قصائد طویل الذیل از وے یادگار است گویند وقتے کہ ابو الفیض فیضی مثنوی نل دمن تصنیف می کرد چوں بایں مصرع رسید "موئے شدہ ام ز ناتوانی" بجہت تمامی معنی بند افتاد و مضمون مصرع ثانی بخاطرش نمی رسید ملائے مذکور بسابقہ معرفتے کہ داشت برائے ملاقات وے رفتہ بود بحقیقت حال وا رسیدہ مصرع بداہۃً گفت مصرع "سو برتن من کند گرانی"۔ فیضی بر لطف طبعش آفریں کرد و از آں باز اورا بسیار دوست میداشت دو سہ غزل ریختہ بطور قدما از وے مسموع است اما بالفعل سوائے ایں یک بیت مقطع چیزے در خاطر نیست۔ ؎ ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد ٭ بیچارہ نوری نکرے ہے نہ ڈرے ہے ٭ محمد افضل مردے است از سکان دیار مشرق اگرچہ ربط کلامش چنداں مضبوط و مربوط نیست لیکن از انجا کہ قبول بے سبب و ردِ بے غضب خاصۂ جناب ازلی است تصنیفاتش بمرتبہ موثر دلہا است کہ از حیز تحریر و تقریر متجاوز است و مثنوی بکٹ کہانی بر صفحۂ روزگار از وے یادگار است ردیہ اش از قدم ابیاتش باقیاس باید نمود ایں یک بیت از مثنوی مشہور از دست۔

پڑے تال میں میرے ہیم پھانسے ❊ مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسے

باید دانست کہ چوں فن ریختہ در آں وقت از محل اعتبار ساقط بود بنا برعلیہ ہیچکس بر تو غل آں اقدام نمی نمود و ایں دو سہ چار بیت کذائے کہ بنام اساتذہ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاء نظمش ہزلے بیش نباشد اما بعد ازیں بسبت بلاد دکھن و در عہد عبد اللہ قطب شاہ کہ با سخنوران صحبت و مواسایش می آمد ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت بادشاہ مذکور

نیز طبع موزوں داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر
می گفت وگاہے بنابر تفنن طبیعت بحسب اتفاق دو سہ بیت جستہ جستہ در وصف خط و
خال غزالان شہرے ہم می نوشت چنانچہ ایں مطلع از دست۔

کس در کہوں کا اح دوں میں مجھ دل پہ کٹھن بجھر اہے ۔۔۔ یک بات کہے ہوں گے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

واکثر مستعدان ایں فن کہ درآں وقتے بودند مردم ایں دیار بر اشعار و احوال یکے
ازینہا اطلاعے نیافتہ اند مگر معدودے چند کہ در زمانہ سلطان ابوالحسن لوائے شہرت
برافراختند و پارہ از ابیات ایں اعزہ بر اوراق بیاض ہائے سخن سنجان ہندوستان قلمی
نمودند بنابریں یک گونہ از اسم و رسم اینہا تعارفے باقیست انشاء اللہ تعالیٰ سن بعد
چیزے ازاں مرقوم خواہد شد واز مرات حوصلہ فہم معنی آگاہاں پوشیدہ نیست کہ
دماغ بیدماغاں بکاؤ کاؤ و مشقت بسیار نمی تابد ہر انچہ معقول و سہل الحصول دید بقید
قلم درکشید و دردسرے کہ مافوق طاقت خود یافت در تحقیق و تفحص آں بغیا دمفت
وقتے راکہ بدلش متصور نیست باندیشہ طول و طویل برباد بداد میرزا ابوالقاسم میرزا
تخلص از مخصوصان سلطان ابوالحسن عرف تاناشاہ عبداللہ گنج کہ در جوار حیدرآباد
واقع است انزوا گزید و بقیہ عمر بلباس فقر ہم انجا بسر برد ایں یک بیت بنام او
شہرت دارد ؎

میرزا وہ نونہال کد ہر سٹ گئے چمن ۔۔۔ دستا تھا جس کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

افضل الدین خان فضلی تخلص بجمیع فضائل انسانی مشہور است تخصیص در شیوہ سخن سرائے
ممتاز روزگار خود بود میرزا ابوطالب می گفت کہ ایں عزیز بفرمایش شخصے در تعریف
حسن شاہزادہ مثنوی پانصد شعر با ایں ہمہ نازکے و پرکاہے موزوں کردہ است کہ ادرا

القاسم

مردم آں دیار نرگس آسا بر بیاض دیدہ قلمے می سازند و از شہرے بشہرے می برند در حقیقت دو سہ چار بیتش کہ ازاں جملہ محلے سواے اہل ہند است خالے از حسن لطافتے نیست چنانچہ ایں ابیات از ہماں مثنوی است

عرق سُہ پہ چوں آرسی میں حباب　　تبسم لباں پر چو موج شراب
زنخ جوں مربادے سیو کا　　پہ کب پڑ سکے ہاتھ واں دیو کا

غوثی

محمد غوث غوثی تخلص خلف الصدق مولانا قطب الدین قاضی حیدر آباد است در جمیع علوم وفنون مشار الیہ بود و ہمیشہ بدرس و تدریس اشتغال داشت گاہ گاہ بمقتضائے موزونے طبیعت دو سہ مصرع ریختہ فارسی نیز موزوں می گردد در آخر عمر در طلب دامنگیر حال او شد از خویش و قوم بر آمدہ بزیارت حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً مستعد گردید و ہم انجا ودیعت حیات سپرد ایں دو بیت ریختہ از واردات خاطر اوست

تیغ بھواں سی کن کہا گھائل نکو کرے　　پلکاں کے یا خنجر ستی بسمل نکو کرے
کاٹو جلا دو راکھ کرو راضی ہیں ہمن　　سب کچھ کرو پہ ایک کٹھن دل نکو کرے

روحی

روحی تخلص مردے از پیرزادہائے حیدر آباد است روزگارے مہیا و عافیتے گوارا داشت و بخلاف احوال پراگندہ طبعاں ہرزہ روزگار و پریشاں خاطران تفرقہ شعار می زیست در اوائل جوانی بشعر و شاعری مشغول بود آخر ازاں اندیشہ باز گردیدہ است مدت عمر بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت گذرانیدہ ایں دو بیت ریختہ از وے یادگار

درپن ستے نگاہ کو مائل نکو کرے　　یہ دکھ اپس کے واسطے حاصل نکو کرے
خنجراں اتے کہ عہدہ برآ نہیں تو ہوکے نند　　پلکاں کو میرے دل کے مقابل نکو کرے

سید شجاع الدین نوری تخلص هر چند از سادات بلدهٔ گجرات است اما تمام عمر بعلاقهٔ روزگار در حیدرآباد بسر برده آخر حال بعهدهٔ تعلیم پسر وزیر سلطان ابو الحسن پایهٔ امتیاز یافت چندے بمنصب معهوده قیام می نمود که ناتوان بینان روزگار بر سبیل حسد بعشق وزیر زاده متهم ساخته از خدمتِ ماموره باز داشتند چوں بوقوع ایں حال سید بیچاره انفعال کشید بے اطلاع همه کس از حیدرآباد برآمده در قصبهٔ بلند شهر رخت اقامت انداخت و نهال جایگاه بجوار ایزدی پیوست

نوری اپس کے دل کے گوسے نکہ بتھا　　حال بھلا اب اس سے دیوانے جو تھا سو تھا

شاه قلیخان شاهی تخلص از متوطنِ بھاگ نگر بود بدرستی طبع و رسائی فکر داد سخن سرائے میداد مدتے بتوسل نوکری بادشاهی در بلدهٔ حیدرآباد می گذرانیده آخر حال بمنصبِ ندیمی تاناشاه معزز و مباهی گشته اکثر حسب الایما بادشاه مذکور شعر مرثیه فکر میکرد چنانچه سابق برایں پنجاه سال ابیات مرثیه اش در بلاد هندوستان دست بدست گردیده اند و بالفعل خبر ندارم که بگوشهٔ خمول گوانده فرسوده و آخرزیده سوائے ایں مطلع اشعار غزل از وے مسموع نیست

ملنا تمہن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے　　کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچ کہے کوئی کچ کہے

میر عبد القادر قادر تخلص از باشندگان حیدرآباد است چشم عبرت بیں و دل حسرت گزیں داشت چوں سن شریفش از پنجاه متجاوز گردید بر دست یکے از مشائخ اندیار که نسبت وے بشیخ شهاب الدین سهروردی می پیوست خرقه پوشیده و تا آخر عمر بخدمت شریفش بر اضات شاقه گذرانید ایں رباعی از مصنفات اوست۔

رباعی

ہر چند ہمن سب سوں اٹھایا ہے ہات — اس پر پھر بھی نہ آزاد دکھائے ہیہات
عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن میں ہے قادر اچھوں در قید حیات

لطف علی لطفی تخلص شاعر دکھنی است و دیگر احوال او معلوم بندہ نیست کہ کیست وکجائیست ایں ایک شعر بنام او مسموع است۔

ہیں عشق کے گلی میں گھائل پڑا تھا کس پر — جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

مہر علی رافت در کمال شوخ و ظرافت پسر خطیب بادشاہی است از غایت سبکسرے وزیاد گوئی معاصران خود را بطعن و استہزا می رنجانید و ہیچکس را در برابر خود مقدار ے نمی نہاد روزے در مجلس پدر بزرگوارش کہ بسخن فہمے و نکتہ دانی نظیر نداشت بتقریبے ذکر شعر مشکلہ بمیاں آمد چوں در استکشاف معنے آں اندکے تامل کرد بسوے او چشمکے زد و گفت جانے خدایا خطیب کا واز ایں جنس بسا سخنان ناصواب از وے مسموع است بالجملہ از و طیرہ اشعارش معلوم نمی شود سخنش بجائش نرسیدہ بود او تعالی رحمتش کناد

سوتے دریا میں اس کے تن کاں الگ ہووے — کہ تمہن کے وہ نبا کو تن سے ہمسر ہووے
یونچھاد امانسے رقیباں کے انکھیاں کا لوہو — یوں بھی ہمنا سے نبولے کہ آیا ست رووے

فقیر اللہ متخلص بآزاد از متوطنان بلدہ حیدر آباد است ہنوز از صغیر سن بر نیامدہ بود کہ پدرش برحمت خدا رفت اکابران محلہ نظر بر یتیمیش نمودہ عزیز می داشتند چوں جوان شد سوداے زلف عنبر ینے در سرش پیچیدہ دکارش بآوارگی انجامید مکان معین نداشت خانہ بردوش می گردید چنانچہ ایں عزیز د شخصے

فراقی تخلص کہ بندہ از احوالش کماینبغی اطلاع ندارم در آں ایام کہ محمد یار خاں

صوبہ دار دہلی بود ہر دو باتفاق برائے دیدن وے بدار الخلافت آمدند چوں نسق کلامش بنا بر کثرت صحبت خاطر نشیں اینہا گردید متبع او گشتند چنانچہ از رویہ اتصال ایں ہر دو بزرگوار پیداست۔ از آزاد۔

کوئی کسی ہی فن میں ہم ساتھ بر نہ آیا — پر جسے یار ملا ایسا ہنر نہ آیا

از فراقی

فراقی کشتہ ہوں اُس آن کا جس دم کہ وہ ظالم — کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستین آوے

احمد گجراتی شعر ہندی می گفت کہ عبارتے از گیت و دوہرہ باشد در علم سنسکرت و دبھاکا ید طولی داشت و در فن خود سر آمد روزگار بود و الحق کہ دو سہ دوہرہ از تصنیفش شنیدہ شدہ مذاق کلامش بسیار دل نشیں است چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود گاہ گاہے فکر شعر در ریختہ نیز می نمود چنانچہ ایں دو بیت از نتائج اوست

شب جھوٹے وعدوں پر جو تیرے ہم بہک گئے — کوئی لاکھ بار گھر سے اُٹھے وہ ٹھٹک گئے
پوچھے تھے کل میاں سے آپس دیکھ میں خبر — سو آج لا کے سر سے میرے پٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں — ایک سانجھ پڑ گئے ہے دو جی پاؤں تھک گئے

فخری تخلص شخصے بود از شاگردان ولی بسیار بصفائی گفت چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیداست و دیگر احوالش معلوم بندہ نیست

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوندھ لگ رہے — دیکھا ہے یار کتنے نظر بھر کر آفتاب

محمود نیز از دکھن است گویند معاصر فخری است بلکہ با او چیزے قرابت ہم داشت بالفعل از خاطر رفتہ است۔

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں ہے لیکن — جو کوئی بتاں سے بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

سہج تخلص شخصے از متوطنان اورنگ آباد است آنچہ از سلیقہ شعرش معلوم میشود بسیار بدرستی حرف میزند۔ سہج

پی بن مجھ آنسو بہے شراروں کی کیا کمی — جس رات چاند ہو نہ ستاروں کی کیا کمی

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے — اگر دیکھے مرا سینا رفو چکر میں آجائے

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا — طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

محقق تخلص شخصے است بندہ از احوالش خبر ندارم ایں ایک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکھنی نوشتہ دیدہ ظن غالب است کہ داخل ہماں جرگہ باشد واللہ عالم بالصواب محقق

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو — اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

ہاشم تخلص شاعر دکھنی است آنچہ از طرز کلامش مفہوم میشود سرے بسخن داشتہ۔ ہاشم

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سوں بیحجاب اچھے — کہ مکھڑے چاند سے پر جنکے خط پیچ و تاب اچھے

ہاتف تخلص شخصے در دکھن بودہ است ایں یک شعر بنام او در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایاں والد فقیر مؤلف بودہ اند نوشتہ شعر مذکور ایں است۔ ہاتف

انکھیاں تیرے اور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں — اسلام اور تقوی کہاں زاہد اور مسلمانی کدھر

میرزا ابوطالب المتخلص بطالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبہ بلندرہ کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائے باعموے بزرگوار حضرت میرزا رفیع صاحب بہم رساند ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشاں برائے کار جاگیر خود بدار الخلافت شاہجہاں آباد رسیدہ تا مدتے کہ اقامت نمود ہمخانہ ایشاں بودہ طالب

بعضے ازیں احوال واشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب رسیدہ بود و از ایشاں علی سبیل ذکر مذکور بفقیر معلوم گردیدہ ایں یک شعر از طالب است

ہمنا کے خون چشم سے آلودہ کب کرے ۔ وہ پک جسے گرانی ہے رنگ خلت سے

ولی — شاہ ولی اللہ ولی تخلص شاعرے است مشہور مولدش گجرات است گویند بہ نسبت فرزند شاہ وجیہہ الدین گجراتی کہ از اولیائے مشاہیر است افتخار داشت در سن چل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابو المعالی نام سیدپسرے کہ دلش فریفتہ او بود بجہاں آباد آمد گاہ گاہ بزبان فارسی دو سہ بیت در وصف خط و خالش می گفت چوں در آنجا بسعادت ملازمت حضرت شاہ گلشن قدس سرہ مستعد بگفتن شعر بزبان ریختہ امر فرمود ایں مطلع نغز موزوں کردہ حوالہ او نمودند۔

خوبی اعجاز حسن یار گر انشا کروں ۔ بے تکلف صفحہ کاغذ ید بیضا کروں

بالجملہ ہمیں تقول زبان ایشاں سخن ایں بابا چناں حسن قبول یافت کہ ہر بیت دیوانش روشن تر از مطلع آفتاب گردیدہ در ریختہ راقسمے بفصاحت و بلاغت می گفت کہ اکثر استادان آنوقت از راہ ہوش شعر ریختہ موزوں می نمودند چنانچہ قدوۃ السالکین و زبدۃ الفاضلین مرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ نیز دریں زبان غزلے گفتہ مطلع و مقطعش اینست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں ۔ اس صنعِ بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا ۔ پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

و چند بیت کہ فقیر موافق فہم ناقص خود از دیوان ولی مذکور منتخب ساختہ ایں است۔

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا ۔ مفت ہے دیکھنا سرِ سجن کا

ٹک ولی کی طرف نگاہ کرو
صبح سے منتظر ہے درشن کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا

دیکھ احوال مرا ناصح مشفق نے ولی
ہاتھ سوں ہاتھ ملا درد سوں سینہ کوٹا

صنم کے لعل پر وقت تکلم
رگ یاقوت ہے موج تبسم

زندگی جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

ڈالے اکھاڑ کوہ کو جوں کاہ اپوتے
عاشق کی آہ سرد کہ جسمیں صدا نہیں

خوبرو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

یکبار اگر بات میری گوش کرے تو
ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو
دردمندوں کو کڑھایا نہ کرو

دل کو ہوتی ہے سجن بیتابی
زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو

اس کے قدم کی خاک سے صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کچھ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھتا ہوں جسے وہ مبتلا ہے
خوباں کے نگہ کیا بلا ہے

گر تجھ کو ہے عزم سیر گلشن
دروازہ آرسی کھلا ہے

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
میرے گھر اس طرح آتا ہے جوں سینے میں راز آوے

جاگیر ساتھ کب دل وحشی کو کام ہے
تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

جس وقت تبسم میں وہ غنچہ دہن آوے
گلزار میں کلیوں کے دہن پر سخن آوے

عالم میں تیرے ہوش کی تعریف کیا ہوں
ایسا تو نکر کام کہ تجھ پر سخن آوے

ایوے رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق
کوچہ زلف ہے یا گوشہ تنہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

جب تک نہ ملے شراب دیدار
آنکھوں سے خمار کیونکے جاوے

انجھوانکے اگر مدد نہ ہووے
مجھ دل سے غبار کیونکے جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو دلی کے
نگاہِ پاک بازاں کیمیا ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے تجھکو
کرتی ہے نگہ تجھ قد نازک پہ گرانی

ہم کو شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

موسوی خاں فطرت

موسوی خاں فطرت و معز تخلص می کرد و جائے موسوی می آورد تازہ آمد ولایت است و احوالش داخل تذکرہ ہائے فارسی است در زمانِ سلطنت عالمگیر بادشاہ بمنصب سہ ہزاری و خدمتِ خالصہ شریفہ ممتاز بود روزے حضرت بادشاہ در اقتضائے امرے متردد بود صورت واقع بر سبیل مشورتے بردو نوع باخان مذکور تقریر فرمودند بعد تامل بعرض اقدس رسانید کہ باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است باستماع این کلمہ رائے حضرت بر نامعقول بودن سخن اولی انتقال نمودہ روئے توجہ ازیں بے گناہ گردانیدہ بطرف دیگر مشغول شدند چوں ایں عزیز بمغز کلام وارسید خجالت بسیارے کشید بعد برخاست دیوان کہ بخانہ خود آمد بیمارے بہم رسانید اطبا بموجب امر حضور بمعالجت وے حاضر شدند پس از تشخیص معلوم شد کہ زہرہ اش آب شدہ است بالجملہ او انروز را شام نہ کرد کہ بمقر اصلی رو آورد گویند ایں شعر ریختہ از وست شاید بتقریبے گفتہ باشد۔

ازلعف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

خواجه عطا۔ عطا تخلص از روسائے نامدار و سرکردۂ ہائے اوباشان روزگار بود در عہد عالمگیر بادشاہ بہ بانکہ وضعی اشتہار داشت از غایت شہرت محتاج تعریف نیست ایں دو شعر ریختہ از دست۔

اے در نبرد حسن تو کیسے بچھاڑ چشم | زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچھار چشم
اشب بکوئے دوست عطا پھر بہار ہے | تو بھی کہیں بسر کہیں در پر کہسار چشم

میر جعفر۔ جعفر تخلص سید صحیح النسب بود چوں اساس سخنوری بر زٹل قافیہ گزاشتہ بر بنا علیہ زٹلیش می گفتند و از بسکہ کلامش در عوام شہرت تام یافت اغرہائے آں زماں بپاس آبروے خویش باوے بسلوک شائستہ پیش می آمدند گویند روزے بخدمت مرزا عبد القادر وارد شد پریشان بعد استماع نظم نثرش چند اشرفی بطریق انعام مرحمت فرمودند بوقت رخصت ایں مصرع برخواند و در رفت مصرع ظہوری و عرفی بہ پیش تو پہش۔ غرضکہ از تحائف روزگار بود اکثرے از مزخرفاتش مشہور خواص و عوام است و کلام مضحکش اشتہار تمام دارد از غایت ابتذال احتیاج نوشتن نیست۔

طبقہ دوم

در ذکر کلام سخنوران متوسطین بر شناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست کہ از عہد عبد اللہ قطب شاہ گرفتہ تا زمانہ بہادر شاہ کسانے کہ شعرائے ریختہ اند نسق کلام اینہا بسیار مربوط و معقول است ہر چند کہ اگر الفاظ غیر مانوس گوش با مردم مستعمل ایشاں است لیکن چوں موافق زبان دکھن است درست است پیش ہمہ کس راہ بدہ دارد و نہ

ایں ستم کہ شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ باعتقاد خود تلاش الفاظ تازہ وایہام نمودہ شعر را از مرتبہ بلاغت انداختند تا بمعنی چہ رسد غرض ناگفتہ بہ مصرع خطائے بزرگاں گرفتن خطا است ۔ بہر حال فقیر دو ادیں ایں اعزہ فراہم آوردہ اشعار جستہ جستہ بسعی تمام موافق فہم ناقص خود بوضع انتخاب قلمے نمودہ حق تعالی توفیق کرامت فرماید شاہ مبارک متخلص بہ آبرو مردے بود درویش منش قلندر مشرب

آبرو

متوطن گوالیار از فرزندان محمد غوث بعالم حسن پرستی اشتہار تمام داشت چنانچہ مثنوی صدو پنجاہ بیت درباب تعلیم آرائش خوباں روزگار بسیار سدامت موزوں کردہ است بالجملہ شعر ریختہ بوضع خود بسیار مربوط می گفت و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خاں

آرزو

آرزو میکرد کہ بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالی سلامتش دارد و زیادہ بریں از کمالات آں بزرگوار مثل من ہیچمداں چہ نویسد کہ شمار قطرہ آب باراں نمودن و سیاحت افلاک پیمودن است ہر چند دماغ ہیچ شخص بریختہ وفا نمی کند لیکن وسعت اخلاقش تا بحدیست کہ شعر میاں آبرو را بنظر اصلاح ملاحظہ می نمودہ بلکہ گاہ گاہ بپاس خاطر او خود ہم دو سہ بیت ازیں قبیل می فرمودہ

از آرزو ست

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم نے
یہ لعل قیمتی دکھو جھوٹا نکل گیا

میرے شوخ خراباتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو
بہار حسن کو دے آب جب انکھیں چرس کھینچا

میخانہ بیچ جاکر شیشہ تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے پیارہ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے
موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

ہرگز نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا ۔ گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا
تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے ۔ غنچے نے گانٹھ باندھا لنگر سخن ہمارا

(۱) ایں چند شعر از شاہ مبارک آبرو است

آیا ہے صبح نیند سے اوٹھ رسمسا ہوا ۔ جامہ گلی میں رات کا پھولوں بسا ہوا
بوسا لبوں سے دینے کہا کہہ کے پھر گیا ۔ پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاونگا اس گلی ۔ ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا
رہے ہر تیس دن مرکا نچے سنکھ ۔ کلیجا آہنی ہے آرسی کا
مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے ۔ یہ روٹھ روٹھ چلنا چلچل کے پھر ٹھٹکنا
دل تو دیکھو آدمِ بے باک کا ۔ عشق سے بھرتا ہے پتلا خاک کا
جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہئے ۔ کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا
رہتی ہے وہیں مصرع دلچسپ کی طرح ۔ گھر بار ہو وے سرو قداں کا برا بیت
زندگی ہے سراب کی سی طرح ۔ باؤ بند سے حباب کی سی طرح
تجھ اوپر خون بے گناہوں کا ۔ چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح
عالم آب سیں آسان نہیں اے شیخ گذار ۔ خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار
خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں ۔ مدتوں ستی مصور کھینچتا ہے انتظار
آج پھر ہم سے کر دیا ہے اداس ۔ ان رقیبوں کا جائے ستیاناس
سجن تیرے کے شوق میں چھوڑا ۔ رات کو پھولنے چمن کا باس
غیر صحبت میں اب لگا جانے ۔ چھوڑ کر اپنی آبرو کا پاس
یارو ڈرو کمر سے مروڑو نہ پھر کے انگ ۔ آجائے کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ
نکلے ہم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول ۔ گلبن سے دیکھ ہم کو گئے ہاتھ پاؤں پھول

لالچی کیوں آپ کو مشہور کر دلتے ہو تم
مانگتے کیا ہو سجن کچھ ہم پہ دھرتے ہو تم

نجر اٹھ خواب سے گلشن میں جب تم نے ملی انکھیاں
گئیں مُوند شرم سے نرگس کی پیاری جی بن کلی انکھیاں

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

جب چمن میں جا کے پیاری تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

گلی اکیلی ہے اور یہ اندھیری راتیں ہیں
اگر ملو تو سجن سو طرح کی باتیں ہیں

اے شوخ بے تمیز تجھے کچھ ادب نہیں
معشوق گر ہوا تو خدا کا غضب نہیں

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن
جو اور سے ملوگے تو دیکھو گے ہم نہیں

سر تا قدم پیار سے دست دعا ہوا
تیرے بھولنے دیکھ خنجر آب آئینہ

کیوں ملامت اسقدر کرتے ہوئے حاصل ہے تے
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے تے

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں ایک مجھکو
طرح وہ پاؤں دھرنے کے مرے آنکھوں میں پھرتی ہے

رستم اس مرد کی کھاتے ہیں قسم زوروں کی
تاب لاوے جو کوئی عشق کے جھکجھوروں کی

لب شیریں پہ سجن کے نہیں خط سیاہ
ڈار ٹوٹے ہے مٹھائی پہ شکرخوروں کی

آبرو کو نہیں کم ظرف کی صحبت کا دماغ
کس کو برداشت ہے ہر وقت کے نکتوڑوں کی

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے
کہ مرے دل میں آکھٹکتی ہے

زلف کی شان ٹک ادپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

شخصے در تعریف ایں شعر لطیفہ گفتہ کہ کانا چہ خوب شعر اندھا گفتہ است

ہیں بنگ کے نشے میں ہزاروں طرح کے رنگ
سب بوٹیوں کے بیچ مرصع ہے یہ جڑی

دشمن جاں ہے تشنہ خوں ہے
شوخ ہے بانکا ہے غضب بھوں ہے

دل کے چھینے کو یہ لٹک چلنا / سحر ہے ٹوٹکا ہے افسوں ہے

تسبیح خرقے ہیں جب مراقب ہو / گربہ مسکین ہے موئی جوں ہے

یوں آبرو بناویں دل میں ہزار باتیں / جب روبرو ہو تیرے گفتار بھول جاوے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے / خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے / وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے

نے نام ہے بتایا نہ گھر کا دیا پتا / پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے

اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی / آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے / یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

کام کرتی ہے تری دستار کاکل کا تمام / سر تمہارے پر سجن ہر پیچ ڈھیلا پیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹے / مر کے پھر جیونا قیامت ہے

معشوق ہے وہی کہ وہ اپنے کہے کرے / اور ہم کریں جو منع نہ مانے وہی کرے

تبسم سے مجھے اُس کو نظر سے / کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے

یکرنگ

مصطفی خان یکرنگ تخلص معاصر میاں آبرو است بخدمت خان آرزو مشق سخن می کرد ابیات دیوانش ہمگی و تمامی قریب پانصد شعر خواہد بود سوائے اینکہ نبیرۂ خانجہاں لودھی است و در سلک ملازمان بادشاہ منسلک بود و دیگر احوالش معلوم بندہ نیست ابیاتے کہ از دیوانش فراہم آوردہ ام ایں است۔

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ / کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہیں

برگ حنا اوپر لکھو احوالِ دل میرا / شاید کبھو یہ جا کے لگے دلربا کے ہاتھ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے / میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے یہ تسکار جاتا ہے
میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے مدرسا دیکھا تو وہاں بھی فاعل مفعول ہے

میر سعادت علی سعادت تخلص متوطن قصبہ امروہہ از فرزندان حضرت شاہ ولایت در کمالِ خوبی آدمیت است ریختہ را تبلاش بسیار می گفت و در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت ہنوز بسنِ کہل نہ رسیدہ بود کہ بہ آزار تپ محرقہ از جہاں رفت خدائش بیامرزد ایں چند بیت از دست۔

ہوش کھوتے ہیں میرا یار وہ انکھیاں پر مست بس کہ ہوں کم ظرف ہو جاتا ہوں پیالوں میں مست
لکھا چاہے ہے تیرے قد کی تعریف الِف کو کیا تراشا ہے قلم نے
شیخ تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا واں دام لے وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے
یہ دانا ہیں دوانے جو مجھے زنجیر کرتے ہیں میرا کوئی دم میں جی نکلے ہے یہ تدبیر کرتے ہیں
مت دکھا اس طرح کی آن مجھے کوئی دم جینے دے جان مجھے
مثل آئینہ سادہ رُویوں کے موہنہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

شاہ ولی اللہ اشتیاق تخلص با وجود مذاق علمے چاشنی فقر داشت در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت ازو اگزیدہ اوقات عزیز بیاد الٰہی بسر می برد ہرگاہ کہ از تدوین و ترتیب نسخہ عقبیٰ فراغتش روے می نمود چیزے از قبیل فارسی بر سبیل تفنن فکر می کرد بندہ روزے بخدمتش حاضر شدم حرفہائے با مزہ می گفت مدت ہفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود۔

لڑکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اسکو چوٹ ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
چھوڑ کر تجھکو ہمیں اوسے جب لاگ لگے نہیں مہندی یہ تیرے تلووں سے ہے آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ اُن کا دوش نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

محمد شاگرد ناجی تخلص سپاہی پیشہ بود در مطاوے کہ مصرع شعر پراز معنی آبدار ودیعت جھی
می نہاد وبدرستی طبع ورسائی فکر دادِ سخنوری می داد وزاوگاہ او دارالخلافت شاہجہان آباد
است بار او فقیر کہ منعم تخلص می گرود شعر فارسی بسیار بتلاش ہاے نیکو می گفت رابطہ
اتحاد مربوط داشت گاہ گاہ بتقریب خانہ تشریف می آورد بندہ خود در خورد سالے
اورا دو سہ بار دیدہ ام مزاجش خیلے مائل مزاح بود او تعالی رحمتش کناد

ہوا بازار گل کا دیکھ تجھ رخسار کو مندا — جو دیکھے تجھ قدِ آزاد کو طوبیٰ تو ہو بندا

نپوچھو خود بخود ہے عارض خورشید کی خوبی — لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہ رویاں سے کر چندا

بلند آواز ہے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل — گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

تجھ دلکو اپنی زلف میں دے جا سمجھ کے یاں — نکلے گا پھر نہ دیر میں بیٹوں ڈھہا ہوا

یہ داؤ کھا بدے کا لگتا ہے لالچی سا — حجامیوں سے ہل ہل اٹکل رہا ہے کیسا

مجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا — لے گیا جب دلکتیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب کئیے گئے تلک جب دے لب دریا پہ زلف — حیف ناجی کو بہو پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

دہن جب لال ہو پانوں سے پی کا — خدا حافظ ہے تب غنچے کے جی کا

ترے رخسار کے پرتو سے اے شیخ — پری خانہ ہوا گھر آرسی کا

اس مغل زادے کو بابا سے رکھو اسکو عزیز — مول ہے سارے بدخشاں کا یہ بیٹا لعل سا

بہا بستا ہو یا پہنیگا نہیں موقوف غلے پر — یہ سب خرمن اسی کے ہیں خدا ہو جس کے پتلے پر

شربت اٹکل کر نہ زاہد آتشیں لب سے کیجو بس — شرم کر ڈاڑھی کی کیوں شعلہ کنے لیجا پھونس نیب

رنگ میں ہیگا قرابی اور نپٹ ملنے میں گرم — اس طرح کا سانورا کیا ہے جوں اصل طوتی

دیکھ سوہن تری کمر کی طرف | پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
چاند تیرے روبرو خوبی کا کیوں آ کے ہی لاف | وہ تو داغی ہے تیرا جوں مہر رخسار ہے صاف
امردی ساری تم اپنی کر چکے مکتب میں صرف | اب تو خط نکلا ملو گے کیوں نہ اسمیں کیا ہے حرف
جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے | شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک
لیجاوے شہر شہر پھرا وہ بھی دشت دشت | کرتا ہے آدمی کو نہایت خراب دل
پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے | کھولے ہے لب ہزار زوروں سے
نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں | یہ دن بہار کے اے جان یونہی جاتے ہیں
ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا | جنہوں سے وعدہ کیا تھا نہیں جاتے ہیں
مت گرا ماجرا اس پہ جان آخر دل ہے یہ | ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ
چراغ و شمع کی پروا نہ رکھ یہ تجھکو بالا ہے | نظر کر دلکی آنکھوں سے اندھیرا بھی اجالا ہے
سمجھتے تھے سبھی بنت العنب کو باکرہ یارو | سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے پھوٹی ہے
اس گل کے رخسار دیکھ جیتا ہوں | عارضی میری زندگانی ہے
تیر سے دلکو تو زخمی کر چکے تم | اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہے
تبسم نت رقیبوں سے خلل ہے | ترے بھاویں ہنسی میری اجل ہے
کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے | قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے
جان ہے جوڑا ہے دلبر ہے | پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے
لب جانبخش آگے تیرے سجن | جو مسیحا کا نام لے خر ہے
یہ سخن اغلا کی بات ایدل تو اپنی دہن میں پکا ہے | خدا حافظ پر دوزخ بھی ایک شرعی ڈر کا ہے

شعر خوبے است اما آن سر کفر افتادہ است ہر چند شطحیات شعرا پیش ازاں است

کہ گفتہ شود لیکن با وجود شرف اسلام اینہا بسیار بعید می نہاد او سبحانہ تعالی برحمت خود
کارکند و بگفتار و کردار ما نرود از ناجی است

دو بالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے
پیالہ اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

تجکو کیونکر جدا کروں اے جان
زندگانی بہت پیاری ہے

نرگس کے تئیں ہیں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں جیں نے آخر پیارے تمہاری آنکھیں

سخن سن اس بت کافر ادا کا
جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

مضمون

شرف الدین مضمون تخلص از فرزندان حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہ

بجمیع صفات موصوف و ہمہ حسنات معروف بود مولدش جائے است در نواح گوالیار
کہ او را جاجیومی گویند چوں سن شریفش از پنجاہ متجاوز گردید دست از قید علائق برداشت
و قدم در راہ آزادگی گذاشت لب دریا مسجد یست مسمی بزینت المساجد او را
مسکن خود قرار دادہ بتوکل میگذرانید بسکہ ملین و خوش صحبت بود اکثر از مردم انجیبا
آخر روز بطریق سیر در حلقہ مجلس وارد می شدند چنانچہ سعدی گوید

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مور و مرغ گرد آیند

بوقت موعودہ سر در پردۂ اختفا کشید و بعالم قدس ساس گردید خدایش بیامرزد
شعر ریختہ را بتلاش الفاظ و معنی تازہ میگفت ایں چند بیت از دست

ہوے ہیں ہر مژہ ستی اپس آنسو ڈھلک دریا
کہیں کیونکر نہ چشموں کو میرے مردم پلک دریا

کرے ہے نہیں نوح کا طوفاں میری آنکھوں سے ہم چشمی
گیا وہ خشک ہو کب کا یہ ہیں اب تلک دریا

افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دلکو اٹکا
کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا

چھپ کر مخالفوں سے آ اس طرح پلنگ پر
کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

بالو کا رسہ اسے مثل تنور مضموں ہے — یک قرص ناں کے خاطر تو کیوں پھرے ہے بھٹکا

کلی کھلتی ہے وہاں اسکی جہاں خندہ و تنکا ہے ریلا — ہوا معلوم مجھکو یہ کہ اب یہ طفل کھل کھیلا

بند شیشے میں کیا ہے تو بھی پھڑکاتی ہے آناک — دختر رز کی نہیں جاتی ہرلرز تاک جھانک

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں گر باور ہے نہیں — مصحف رخسار پر پیارے رکھا تو ہمسے ہاتھ

چلا آگے سے جب کشتی میں وہ محبوب جاتا ہے — کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کیطرح یکدم نہیں تھمتا — کسی بیتاب کا شاید لیئے مکتوب جاتا ہے

ہم فقیروں میں تمہارا اے میاں کیا کام ہے — تم تو طالب زر کے ہو اور یہاں خدا کا نام ہے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے — ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

گر نہ تھا نقش روئے زمین پر ہمیں مراد — قالی اگر نہیں تو نہیں بوریا تو ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند — ہو گیا دیکھ آرسی کتیں دو چند

خط اس کے آگیا ہے میری ہی سفید ریش — ملنے کو اب تیں وہ بتاتا ہے شام و صبح

احسن اللہ احسن اللہ معاصر میاں مضمون و آبرو بود دبر دیہ شعر اینہا تلاش لفظ تازہ و ایہام میکرد اما از غایت ہجوم الفاظ معنی شعرش کمتر بنظر می آید ابیاتے کہ بعد غربال کردن دیوانش برآوردہ ام اینست

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کے زلف — ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اسلام

نہیں مضمون خط احسن اللہ — کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

شرف الدین علی پیام تخلص مرد عزیز الوجود بودہ است اصلش از خاک اکبر آباد است شعر فارسی بکمال شستگی می گفت نظم ہائے رنگین و نثر ہائے متین دارد احوالش من و عن داخل تذکرہ خان آرزو است و این دو سہ شعر ریختہ نیز از دست

بات منصور کی فضولی ہے — ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے
دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

میر ناصر ساماں تخلص می کرد و باکمال بے سر و سامانے می زیست وطن او جونپور است در ابتدائے سلطنت محمد شاہ بدار الخلافہ اقامت داشت و اکثر بخدمت خان آرزو ملاقات می نمود و دیگر احوالش معلوم فقیر نیست ایں مطلع و حسن مطلع ازو

اٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے — کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس بھانت جلتے ہیں ہمیں دیکھ — گو یا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

بینوا تخلص شاعرے بود گمنام از ساکنان قصبہ سیام شوخ چشم ظریف طبع گاہ گاہ بطریق لطیفہ شعر بدیہہ می گفت و در اوائل سلطنت محمد شاہ بدار الخلافت رسید و از ہر یکے کہ دراں عرصہ بعرصہ بود ملاقی گردید روزے در مجلس مشاعرہ دار دشد میاں شاہ مبارک آبرو کہ احوالش گذشت بدو التفاتے نکرد بعد دیرے کہ چار شدند گفت کہ میاں آبرو صاحب شما از احوال مخلصاں ایں ہمہ تغافل می کنند کہ گویا جائے بیں چشم نہ شدہ اند چوں ایشاں یک چشم نداشتہ ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد و ہر یکے حضار خندہ بسیارے کرد غرض کہ از تحائف روزگار بود خدا بیامرز داز دست

بینوا ہوں زکواۃ حسن کی دے — او میاں مالدار کی صورت

محمد اسمعیل بیتاب تخلص می کرد شاگرد میاں یکرنگ بود گاہ گاہ فکر شعر می کرد ہنوز از مرتبہ موزونیت نیا مدہ بود کہ برحمت خدا رفت۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل　　　تو کیا آرام سے رہتا میرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں　　　پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

محمد محسن، فدوی تخلص از نجیب زادہ ہائے دہلی است با میاں مضمون و آبرو صحبتہا داشتہ است در علم موسیقی مہارتے تمام دارد و ستار را بربط نیکو می نوازد آنچہ معلوم است از اکتساب اشعار و ابیات خویش متنفر است با فقیر آشنا است۔

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ نہیں سکتا سجن　　　دیکھ تو عاشق نے تیرے واسطے کیا کیا تجا

محمد حاتم، حاتم تخلص ہم صحبت میاں مضمون و آبرو است اصل وے شاہجہاں آباد است در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاولی نواب عمدۃ الملک مغفور پایہ امتیاز داشت بعد فوت او توکل روزگار نمو با کمال آزادگی می گزارند کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ شعر خوب جستہ جستہ می برآید حق تعالی سلامتش دارد

دلوں کے راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو　　　کہ چند روز سے موقوف ہے پیام سلام

مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو　　　عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

شہاب الدین ثاقب تخلص متوطن سیوہارا است مشق سخن بخدمت میاں آبرو می کرد سابق بریں چہار سال اتفاق دیدنش افتادہ الحال مفقود الخبر است شاید بوطن خود رفتہ باشد۔

ثاقب کی لاش اوپر قاتل نے آکے پوچھا　　　یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

میر لچھمن، پاکباز تخلص خلف الرشید میاں شاہ کمال است پدر بزرگوارش شیخ

بتمام دارد و روز جمعہ مجلس سماع بخانہ اش مقرر است اکثر قوالانِ شہر در آنجا می آیند و دیگر مردم بتقریب سماعت نیز حاضر می شوند نیکو ادائے ہائے تواجد شیخ مشہور است بندہ در میانِ مجلس بخدمت میاں پاکباز ملاقات کردہ ام گویند در مبادی حال فکر شعر می کرد و از مصطفیٰ خاں یکرنگ اصلاح می گرفت ایں یک شعر بنام او شہرت دارد

مجھے رہتے ہیں نت درد و الم گھیرے میاں صاحب　　خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

ندیم

مراد علی قلی، ندیم تخلص مولد وے شاہجہان آباد است در فرقہ کہ بخطاب خانے سرفراز نداز سابق بریں چند سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیہا می کرد چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عدل ایں دعوی است بالفعل کہ طرز گفتن مرثیہ بے ادبانہ دلنشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتن شعر ریختہ مشغول است حق تعالی سلامتش دارد۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں　　بجائے مو بدن سے شعلہ آتش نکلتے ہیں

بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال　　مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

جعفر علیخان، عمدہ و عمدہ زادہ مقرر یست بطلاقت لسان و عذوبت بیان نظیر ندارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فارسی موزوں می کند بندہ بخانہ نواب نعمت اللہ خاں قراول بیگے بادشاہے بخدمتش ملاقات کردہ ام انواع شعر را بروجہ اتم می فہمد

نہ ہو کھوجی ہمارے آنسوؤں کے منزل و رہ کے　　خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جائیں ہیں بہ کے

بہار

ٹیک چند قوم او زرگر بود بہار تخلص می کرد علم منطق و معانی مع دیگر علوم بدرستی ورزیدہ علی الخصوص در تحقیق لغت دست دانی داشت چنانچہ دریں باب خودش کتابے

تصنیف کردہ کہ نامش بخاطر نیست واز ین قبیل چند تصانیف دیگر دارد وقتے کہ
خان آرزو سراج اللغۃ تصنیف می کردند بعضے غلطی ہا برآورد ایشاں از غایت
انصاف کہ خاصہ کمال است دخلہاے وے خاں برداشتند اکثر شعر فارسی می گفت
گاہ گاہ دوسہ بیت ریختہ نیز موزوں نمودہ۔

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں — کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے ڈرکوں سے — معاصی گو ہمارے بیش ہیں کچھ مغفرت کم ہے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں — مجھے ایسا خرابا تی کیا تجھ کو مناجاتے

عاصمی خواجہ برہان الدین عاصمی تخلص از نبائر خواجہ احرار در کمال دانائی وہشیار خرامی وبذلہ
گوئی ونادر کلامی مستثناے روزگار بود در عالم جواہر شناسی بصارت تمام داشت
مولدش شاہجہاں آباد است در محلہ بہار پورہ کہ واقعہ شہر نو است با اعزاز وامتیاز
بسرمی برد اکثر فکر شعر مرثیہ می کرد وگاہ بپاس خاطر احبا دوسہ بیت غزل نیز
موزوں می نمود سابق بریں دو سال از جہاں رفت با فقیر جوششہا داشت
خدایش بیامرز داز دست۔

چمن کے تخت پر جسدن شہ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا نتھا جز خار گلشن میں — بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

حشمت محمد علی حشمت تخلص از مردم کشمیر بود حیا وحمیت وآدمیت خلاف کلیہ وطن داشت
سابق بریں دو سال برفاقت قطب الدین علی خاں کہ آوازہ سخاوت وشجاعت وے
در اطراف واکناف عالم شہرتے عظیم دارد ومعہذا البشرح دبسط آں تنگ حوصلگی ہاے
ایں اوراق برمی تابد بسمت چکلہ مرادآباد رفتہ بود وچوں درانجا با فوج علی محمد روہیلہ

پاے جنگ بمیاں آمد ہما آنجا مع خاں مذکور بجرأت تمام کشتہ شد خدایش مغفرت کناد

خطّ نے ترا حسن سب اوڑایا ✽ سبز قدم کہاں سے آیا

حکیم یار علی خاں متخلص **بشفا** جوانیست مستعد کم و بیش از ہمہ جا آشنا علی الخصوص در فن طبابت دست خوبی داشت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ و فارسی نیز می گوید بہر حال مرد خوبے است ہر جا کہ ملاقات می نماید بسیار بروے گرم پیش می آید خدایش زندہ داراد از وست

جوں ڈانک کے دینے سے دونا کھلے ہے یاقوت ✽ چمکا ہے رنگ پان سے جوہر ترے لبا لکا

محتشم علی خاں حشمت تخلص می کرد اصلش از شاہجہاں آباد است پدر بزرگوارش میر باقی نام از مردمانِ مشاہیر بود گاہ گاہ دو سہ شعر ریختہ و فارسی باکمال تازگی می گفت و در سلک ہر مصرعش گوہر معنی نایاب می سفت قبل ازیں ہفت سال بمرگ دفعتہً از جہاں رفت او تعالی رحمتش کناد از وست

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ ✽ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
بہار آئی دیوانے کی خبر لو ✽ اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

مخلص

راجہ نند رام مخلص تخلص قوم کھتری وکیل اعتماد الدولہ مغفور بود با وجود صحبت و کثرتِ جواب و سوال دو دربار صبح و شام شعر فارسی بدرستی تمام می گفت بخدمت خان آرزو ہنگامہ موافقی گرم داشت و مشورۂ سخن نیز بخدمت ایشاں می کرد چوں رواج فن ریختہ بسیار دید خودش سہ چار بیت ازیں قبیل موزوں کرد چنانچہ ایں شعر از دست۔

دھوم آدمی کی کس کی گلزار میں پڑی ہے ✽ ادھر ادھر گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

نادر

نادر تخلص نوجوانے بود نادرہ گوئی شعر بہ ندرت میگفت و اکثر از خطوط خوب
می نوشت ظاہراً در سلک رسالۂ احدیان بادشاہے سرفرازی داشت قبل ازیں
دو سال در کوٹلہ فیروز شاہ کہ قدیم مسکن وے بود مسلول شدہ انتقال نمود۔

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دور ہے یہ ۔۔۔ ہر گرہ میں دل ہے اس کے گانٹھ کی پوری ہے یہ
دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کے دور نہیں ۔۔۔ دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹے ہی جاہے چہرے سے خورشید رو کی زلف ۔۔۔ اتنی بری ہوئی یہ ذرا بھی شعور نہیں

سجاد

میر سجاد جوانیست مستعد متوطن شاہجہان آباد بصفات حمیدہ موصوف و اخلاق
پسندیدہ معروف صنائع لفظے را بتلاشہاے معین مقارن معنی نشاندہ و معنی را بوساطت
الفاظ رنگین باوج سربلندی رساندہ۔

شعر گر وصف چشم میں وہ کہے ۔۔۔ رہے معنی میں اس کے یوں ابہام
کر تو باور کہ جس طرح دو مغز ۔۔۔ ہوئیں توام میاں یک بادام

ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر در نظر درآمدہ شعر بیحاصل کمتر بر می آید

کافر بتوں سے داد نچاہو کہ یہاں کوئی ۔۔۔ مر جائے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ ۔۔۔ لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر
تھکی ہیں بسکہ تیرے راہ دیکھ دیکھ کے چشم ۔۔۔ مژہ سے ان کے قطرہ تک ہوگئے ہیں کاکوس
رہا تو زلف میں جا دل یہ ڈر ہے آنکھوں کا ۔۔۔ بسے ہیں خونی و خونخوار خانہ جنگ پڑوس
کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی ۔۔۔ ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف ۔۔۔ روز سیاہ نالۂ شبگیر ہے یہ زلف
اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو ۔۔۔ نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

شب ہجر میں میرے جلنے کی قدر نہیں پوچھے شمع اسکو بجھاؤ
میرا جلا ہوا دل نہیں اس مژہ کے لائق اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو
عشق گردش نیا آسمانی ہے یہ بلا کوئی نا گہانی ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے
سرخی لب ہر آن میں کچھ ہے یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
نہیں پہنچتی ہے جب تیں اس آستاں تلک تب تک ہماری خاک کی ماٹی خراب ہے
یار کا جامہ ہمیں ہیگا عزیز یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے
دل کی جمعیت نہ کھو لب کھول کر ہوتی ہے غنچہ پریشاں بول کر
بند میں مت ہو دوانے عقل کے کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

فضل علی دانا تخلص مولد وے شاہجہاں آباد است انجا کہ رتبہ و حالت اوست
شاعری دوں مرتبہ است بخدمت مولوی برہان الدین کہ از مشائخ کبار ایں زماں
است بسبب ارادت درست بکمال آزادی و آزاد وضعی میگذراند ہر چند بظاہر
در ذیل خواصان بادشاہے پابند علاقہ روزگار است لیکن در حقیقت از ہمہ چیز
دست بردار گویند روزے در لشکر نزدیک سراچہ خاص بہمراہ آشنایان دربار
نشستہ چیزے میخورد دریں اثنا حضرت ظل سبحانی با دو سہ خواجہ سرا از سوئے
خیمہ برآمدند دیگراں دست و پا گم کردہ از سر طعام برخاستند مگر ایں بابا کہ
از جائے خود حرکت نہ کرد حضرت کہ چنیں ملاحظہ کردند باز داخل سراچہ شدند
روز دوم کہ ایں عزیز باریاب مجرا گردید باشارہ فرمودند کہ پیش بیا چوں نزدیک رفت

ارشاد شد که اے شکم پرور دیروز ما بدولت و اقبال برآمدیم و تو از سر طعام برنخواستی عرض نمود که فی الواقع تقصیر دارم لیکن درانوقت مشغول تعظیم شخصے بودم که تعظیم وے بنعمت و البته اوست و این کلمه را قسمے بر زبان راند که بر دلہا موثر افتاد و حضرت از غایتِ انصاف بر استقامت وے آفرینہا خواندند و تکلیف نوکری ازو معاف

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا　　یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہے میرا

مقابل بیٹھ کر میرے مجھے باتوں ہی میں بہلا　　میرا دل لیگیا حجام کا پسر کتیں سہلا

ترے چہرے کی گرمی سے ہوئیں ہیں یوں انکھیاں　　که جوں خورشید کی تابش سیتی جاتی ہیں ہرن کہلا

سلیمان نام نوجوانیست که در حسن و جمال عدیم المثال است دلش فریفته او بود چنانچه درین شعر نام او آورده از وانا ست۔

اے سلیماں باخبر ہو ملک خوبی کو سنبھال　　خط کا پہنچا حسن سے کرنے کو تیرے مور چال

سادہ لوحی ہیں جو کچھ کہتا تھا تو سنتے تھے ہم　　اب تو خط نکلا ترے اے شوخ اپنا منہ سنبھال

نہ چلّے خون کو جس روز میرے اوسکے فاقہ ہے　　رگ گردن سے میری اوسکے خنجر کو علاقہ ہے

تجھ انتظار میں پیارے مثال آئینہ　　تمام عمر پلک سے میری پلک نہ لگی

نہیں مٹنے کے کیوں رگڑے ہیں سر سجدے میں آ زاہد　　لگی جو بات ماتھے پر مقرر وہ تو پیش آنی

جب گفتگو میں تم نے غنچہ سے منہ کو کھولا　　جھڑتے ہیں پھول گویا کیا بات ہے تمہاری

امید

قزلباش خان، امید تخلص مغل ولایت از نجبائے ایران زمین است تمام عمر در عیاشی و عاشق پیشگی بسر برد و در سنه احد شہید مرحوم بنا بر تفرقه ایران بممالک ہندوستان افتاد و خوش طلعتان این جانه گزاشتند که باز بوطن خود رود و ہمیشه مصروف

گپ زدن و لطیفہ گفتن با نیہا بود علی الخصوص نوربائے را از خوبان جہاں بسیار دوست می داشت چنانچہ روزے بائے مذکور بخانہ اش مہمان بود اتفاقاً ہنگام اختلاط مذکور طبابت درمیاں آمد گفت خاں صاحب دے روز بنابر بنجار چشم پیش حکیم رفتہ بودم فصد تجویز کردہ است صاحب دریں امر چہ می فرمایند تبسم شدہ جواب داد حکیم ہیچ می گوید اگر از من می پرسید برائے شما حجامت بسیار مناسب است چوں برائے دفع آشوب چشم محجبہ گذاشتن معمول اطبا است ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد غرض زندگی دہ روزہ بخلاف اہل دانش بنوعی بسر برد کہ رشک عمر نوح میتواں گفت او تعالی رحمتش کناد

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے در و دیوار سے اب صحبت ہے
ٹال دیتا ہے ہنسکے باتوں میں رو کے کہتا ہوں جب میں اپنا حال

زماں اسد یار خاں المتخلص بانسان ساختہ پرداختہ نواب امیر خاں در کمال فطرت و فطانت و غایت تمکین و متانت شہرہ آفاق بود چوں نواب سطور بصوبہ داری الہ آباد تشریف فرمود ایں با بار الصلح بعضے امور در حضور پرنور مقرر نمود از انجا کہ مصاحب درست واقع شدہ بود در عرصہ چند روز بدل بادشاہ غفران پناہ جا گرفتہ مخاطب بخطاب اسد الدولہ بہادر گرد ہر چند بنابر کثرت اشتغال امور ملکی دماغ شعر و شاعری نداشت مطلع از وست۔

جہاں ہے ہیچ اپنے آن میں ہر ایک پکا ہے نظر کر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

انجام نواب امیر خاں تخلص دے انجام است از بنا ئر شاہ نعمت اللہ ولی بو عیالش ور ہندوستاں بشرف امارت وزارت در ہمچشماں خود اعزاز و احترام داشتند خود ش

در زمانِ سلطنت محمد شاہ بادشاہ بمنصب ہفت ہزاری و خدمات متعددہ سرافرازی داشت پیش آمدش در حضور اقدس اعلیٰ موجب حسد و غبطہ معاصرانش بود چنانچہ بعد انقضائے ہنگامہ نادر گردے بسبب رنجش نواب آصف جاہ بصوبہ داری الہ آباد رفت و بعد از چندے کہ حضرت ظل سبحانی فرمان طلب برائے او فرستادند در جواب آن عرضے کرد و مطلع ریختہ کہ بعد ازین مرقوم خواہد شد ہماں وقت موزوں نمودہ در عبارت آن مندرج ساخت آخر الامر بنوشتہ وزیر مرحوم اعتماد الدولہ بہادر بحضور آمد سہ سال تمام بر آن نکشید کہ قضا برگ پاس بصورت جمدہر فولاد ساختہ بدست غلام نمک حرام از عین جائے دروازہ قلعہ بادشاہے برائے رخصت روح او فرستاد حق تعالیٰ رحمتش کناد از وست۔

اب یہی احسان ہے تیرا جو نہوں آزاد ہم ۔۔۔ پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

مرزا گرامی

مرزا گرامی خلف عبد الغنی بیگ قبول از مردم کاشمیر است شعر فارسی بوضع خود بسیار مرتبہ می گفت چنانچہ احوالش من و عن داخل تذکرہ ہائے فارسی است و از انجا کہ چیزہائے چند از قبیل شعبدہ و نیرنکات بدست آوردہ عالمے را آب میراند و بطور ملاحدہ وضندقہ با کمال بے معنی و بے باکی می زیست ہموارہ مطعونِ زمان ارباب تحقیق می بود در آخر سلطنت حضرت فردوس آرامگاہ حرف وجودش کزلک فنا از صفحہ روزگار بر داشت گویند ایں شعر ریختہ از دست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا ۔۔۔ بیگمی ہے پنیر منعم کا

کمترین

کمترین از قوم افاغنہ از قبیلہ ترین بود و بہ ہمیں نسبت کمترین تخلص می نمود در عالم ہزل گوئی و ہجو پردازی نظیر خود نداشت چنانچہ ہفصد شعر در مذمت اہل حرفہ بر سبیل شہر آشوب از وے یادگار است مدت العمر در دار الخلافہ بسر بُرد آخر حال در سرکار وزیر الممالک نواب

غازی الدین خاں بموجب درخور میگذرانید ورہمیں سال ازجہاں رفت

اگر بھانڈوں سے عقد نہیں ملتے ہیں ذاتوں میں
توکیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

پلا کر مست نفرانے کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کی جا پچھاڑی

طبقہ سوم

دربیان اشعار و احوال شعرائے متاخرین برتتبعان فن ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ الحال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید طرز کلام اینہا ما نا بروئے فارسی است چنانچہ جمیع صنائع شعرے کہ قرار دادہ اساتذہ اسلاف است بکار می برند و اکثرے از ترکیبات فرس کہ موافق محاورہ اردوے معلی مانوس گوش می یابند منجملہ جواز الایان می دانند الا ترجمان زبان مغل بریختہ کردن مقبوح است چہ دریں صورت صحت زبان یکے از ہر دو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح کہ زبان زد مردم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کساں طبقہ اولی کہ یک مصرع شان ریختہ و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی بالفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ مذموم محض می انگارند بہر حال ایں منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقہ شاعر باید نمود بیش ازیں بر صداع سامعان نباید افزود اگر درخانہ کس است اشارتے بس است گوہر یکتائی سیادت لعل بے بہائے کان نجابت علت نمائے وجود سخن ملہم معنی آسمان مسکن افضل الفضلا افصح الفصحا میر شمس الدین فقیر سلمہ اللہ تعالی مردے از خاندان بزرگ در نہایت فضل و کمال است پسر نواب سعادت خاں امیر الامرائے عہد میرزا احمد کہ عبارت از سیف الدولہ بہادر است مشق سخن بخدمت آں سید جلیل القدر

می نمود چوں مستغنی المزاجش یافت نقدی مبلغ دو صد و بست روپیہ بے تکلیف نوکری بفرقہ اَحدیاں بسماجت تمام بنام او مقرر ساختہ ہر چند لائق نبود لیکن برائے احتیاجات ضروری کہ انسان را ازو گریز نیست طوعاً و کرہاً قبول نمودہ غرض در فن شعر فارسی فکر رسائے دارد و بنا بر تفنن طبیعت دو سہ بیت از قبیل ریختہ می فرماید

ترا منھ دیکھ بلبل گل ستی بیزار ہو جائے — اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے
زندگی موج آب ہے گویا — دم کا آنا حباب ہے گویا
خال تیری بیاض گردن پر — نقطۂ انتخاب ہے گویا

مرہم گزار سینہ ریش یعنی بادشاہ و بصورت درویش معنی آگاہ عارف باللہ مرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی عالم و عامل عارف و کامل سر آمد ارباب تحقیق و پیش رو اہل تدقیق است در ظاہر و باطن مرتبہ رفیع و شانے عظیم دارد در اوائل جوانی کہ مقتضائے آن ظاہر است بشعر و شاعری مشغول بود آخر حال خود را ازاں اندیشہ باز داشتہ بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت می گذارند و ہمیشہ ہمتش مصروف تکمیل اہل ارادت می باشد ایں چند بیت ریختہ وغیرہ تلامذہ ایں فن برائے تعلیم انعام اللہ خاں یقین موزوں کرد از دست

مرزا جانجاناں مظہر

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے — کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے
نہ آوے بالش مخمل او پر خواب — یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے
ہمنے کی ہے توبہ ور دھومیں مچاتی ہے بہار — ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور — کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

قاتل کو دیکھ بھیڑ گلی کی سمٹ گئی
یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے پٹ گئی

اودھر نگہہ کی تیغ ادھر آہ کی سناں
اس کشمکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی

چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا
بچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

کوئی آزاد کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

اگر گل کو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

کسیکے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑہ پان کو

آتش کہو شرار کہو کو ئیلا کہو۔
ست اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری دیکھا صبا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو
یہ شیشہ بچپا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

عندلیب خوش نغمہ گلشن روزگار گل سر سبد محافل اشعار یگانہ کشور افضل نقادہ دودماں کمال انتخاب نسخہ صاحب کمالی حضرت میرزا رفیع سودا مدظلہ العالی دریچہ نزہتگاہ معنی بروے وے کشادہ است کہ دو مصرع کلک معجز طرازش شہرت را آمادہ اشعار رنگیں و قصاید متیں دارد چنانچہ قصیدہ کوہ دو پیکر و زمین بہار و بحر بیکراں و تضحیک روزگار وغیرہ از تصانیف اوست والد شریفش میرزا شفیع نام مغل زاد بعمل تجارت مشہور بود بوقت معہودہ بقدس برین خشتافت زرے از ترکہ وے بدست میرزا افتاد در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیل باد دوستیہا بیاد داد بصاحب بیشگی برآمد قبول ملوک نامدار و تقرب سلاطین عالی مقدار ادرا میسر گشت بالفعل بخطاب ملک الشعرائے کہ مہین پایہ سخنوراں است

اعزاز و امتیاز وارد الٰہی سایۂ اش از سر بے سر و پایاں کم مباد مجنون و فرہاد

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل میرا — گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے — دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا

کیونکہ وہ شوخ کتابت لکھے مجھ کو جنے — کھیل ہے ضد سے بیری چھوڑ دیا پانی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے — کہ جنے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نجائیگا — جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا

رخصت ہے باغباں کہ تنک دیکھ لیں چمن — جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نجائیگا

ظالم نہ میں کہا تھا کہ اس خوں سے درگذر — سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا

دامان و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا — عالم کے دل سے داغ دھلایا نجائیگا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھسے تو یہ بھی نہو سکا

نواحی میں تیرے کوچے کی ہے یہ حال سودا — کہ جوں چند آشیاں گم کرکے بستی میں پھر بھٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں سے — شاید اب دل کا آبلہ پھوٹا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا — لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا

تصویر میری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی — انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا

سودا سے کہا میں نے دل میں بھی کیکو دوں — وہ کر کے بیاں اپنا روداد بہت رویا

ساقی ہمارے ہی تو یہ تجھ پر ہے کیوں گوارا / منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

تیرا دل مجھ سے نہیں ملتا میرا دل رہ نہیں سکتا / غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
اجی اس نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

طپش کی اندنوں دل نے نئی صورت نکالی ہے
لپکتا ہے پڑا زانو کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی اندنوں / تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن / نے سیر و باغ نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبہ احزاں میں روز و شب / تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذر / لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو پھر شغل / پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس / پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا / بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر / مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ہیں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا / ہیں حضرت دل سلمہ اللہ تعالے

جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا / غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے پیالا

کہتا ہے گرہ سے یہ ترا گوشہ ابرو / دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو اٹکا لا

فتنہ ہی اٹھاتے ہوگئی پشت فلک خم / ہرگز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا

رکھے کیسے جمعیت کوئی کو دل میں / لٹکا وہ تیری زلف پریشان کیا دیکھا

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ — کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا
دیکھا ہے تجھکو در پہ ترے جنے ایکبار — پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا
ٹک جاگ کے تو چھوڑ کے غافل پلنگ خواب — آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ خواب
بیداری مسجدوں کی خوشا حال زاہدا — اک ہم ہیں روسیہ کہ خرابات و بنگ و خواب
آہ کس سرو میں قمری ہے قد یار کیطرح — نالہ کرتی ہے تو میرے دل افگار کیطرح
گل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ
یا ہم یا نالہ یا وعدہ یا گلہ ہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل نے سمجھا کیطرح
یہ زندگی میری وحشت کا ننگ ہے صیاد — قفس مجھے تیرے چنگل سے ننگ ہی صیاد
ہوا ہے حال میرا اسکو باعث تضحیک — کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد
خرمی پھرتی ہے یوں اس دل پر غم سے دور — جوں پھریں اہل طرب خانہ ماتم سے دور
عقل نے اکدن آکر یہ کہا سودا سے — خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور
لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے — جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور
دیوے تھا غیر کو زکوٰۃ حسن — میں کہا کیا ہے کہنے لگا خیر
انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز
سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس — تھا ہی دلوں پہ داغ غم کوہ کن ہنوز
سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

فقیر اشعار حضرت مرزا صاحب تا کجا انتخاب نماید کہ تمام دیوان منتخب است لہذا قلم در کشید نور چراغ کعبہ و بتخانہ، دود سوز دل پروانہ، تختہ ساز زخم گل داد رس نالۂ بلبل حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر متخلص بدرد وسلمہ اللہ تعالی مردے است عزیز و عزیزے است سراپا

تمیز کامل بجمیع کمال نمونہ قدرت ذو الجلال دلش گنجینۂ اسرار الٰہی و سینہ اش خزینہ انوار نامتناہی است چنانچہ رسالہ در علم تصوف مسمی بواردات مشتمل بر اسرار چند تصنیف کرد کہ متعلق بدیدن است و دیگر ابیات و رباعیات بطور سحابی و خیام بسیار دارد بالجملہ رتبہ کمالش تا بحدے است کہ والد شریفش خواجہ محمد ناصر کہ یکے از اولیائے روزگار و مشائخ کبار است بہ نسبت مریدی و فرزندی وے افتخار ہا دارد ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر از نظر گذشتہ ہمگی لب لباب و تمامی انتخاب است۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالۂ فریاد و آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جدھر ملی وہ ابرو ہمکو نماز کرنا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اُس کو بھی
جب تلک پہنچی ہے پہنچی راکھ کا یہاں ڈھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

هستی ہے جب تلک ہیں اسی اضطراب میں — جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

غافل جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ — پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جزو کل کے ساتھ معنے ہے اتصال — دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

جو کچھ کے ہم نے کی ہے تمنا ملی اگر — پہ ایک آرزو ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

ویسا ہی اب تلک تو وہ دامن ہے اے صبا — کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

جی کے جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی — ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید وا دید تو ہوئی دو سے میری اسکی — پر جو میں چاہے تھا سو بات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

خیر و شر کو سمجھ کے وہ ہے زہر — سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یہاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہے — خالی ہو جائے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے — و گر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھے ہیں کہ آپس میں جو ہوگا — پران دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں — لیکن عجب مزہ ہے فقط دل کے چاہ کا

شمع انجمن عشق بازان فروغ محفل سخن پردازان جامع آیات سخندانی مجمع کمالات انسانی معجز طراز کرامت تحریر محمد تقی المتخلص میر اصل و نشاو دے دار الخلافت اکبر آباد است

در خدمت خان آرزو که خالوے او بود نسخته دانش اندوخته اوائل حال منشی ظهیر الدوله بهادر می گذارند چون بار شکر آبی رسید رفیق راجه ناگرمل گردید چنانچه تا حال با عز و امتیاز در رفاقت اوست۔

اس کا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا ۔۔۔ بوسا بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا
ادریس و خضر و عیسی قاتل سے ہم چھڑائے ۔۔۔ ان خون گرفتگاں پر احسان ہی ہمارا
فغاں مجہ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہوویگا ۔۔۔ مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے رو ویگا
اتنا دن اور دل سے طپش کرلے کاوشیں یا ۔۔۔ یہ جھگڑا تمام ہی ہے آج شب تلک
نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کے تئیں ۔۔۔ قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل
گل کی جفا بھی دیکھئے دیکھئے وفائے بلبل ۔۔۔ یکمشت پر پڑیں ہیں گلشن میں جائے بلبل
کر سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں ۔۔۔ توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل
کیا میں نے رو رو فشار گریباں ۔۔۔ رگ ابر تھا تار تار گریباں
جنوں میری کی باتیں جب چمن اور دشت میں چلیاں ۔۔۔ نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں
گریباں روز محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر ۔۔۔ فغاں پہ ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیرے ہتہ بلیاں
گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی ۔۔۔ میں وہ نہال تھا کہ اوگا اور جل گیا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں ۔۔۔ مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث ۔۔۔ برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ
نہ گئی تسبیح اسکی نزع میں بھی میر سے ہرگز ۔۔۔ اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکا تھا
کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کو ہووے ۔۔۔ اچنبھا ہے جو اسکے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا
تو نہ تھا مردن دشوار ہیں عاشق کی آہ ۔۔۔ حسرتیں میر کتنی گرہ تھیں رمق ایک جب جا کے کھنچا یہ جی

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق — رنگ کچھ اور ہوا جاتا ہے ایک آن کے بیچ

لوہو میں شور بور ہے داماں و جیب میر — بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

کر رحم ٹک کب تک جفا مجھ پر جفا کار اس قدر — یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان و آزار اس قدر

صدا آہ جی کے پار ہو ہے تیر سے شاید — کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو

خوش آوتی تجھ بن گل گشت باغ کس کو — صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کسکو

مشہور چمن میں تیرے گل پیرہنی ہے — قربان ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھانبے ہے زباں شمع — وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

تیرے ابرو جدہر کو ہوں مائل — ایک عالم اودھر نماز کرے

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں رہی — لکھتا ہوں تو بھری ہے کتابت بہے ہے

تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے — نکیلے نپٹ اس جواں کی طرح ہے

خانقہ کا تو نکر قصد ٹک اے خانہ خراب — رہ گئی ہے یہی ایک بستی مسلمانوں کی

طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی — اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی

مدت سے میں یکمشت پر آوارہ چمن میں — نکلی ہے یہ کیسکی ہوس بال فشانی

کوکے خاں فغاں

کوکے خاں اصل نام وے مرزا اشرف علی است فغاں تخلص می کند در زمان سلطنت میرزا احمد بمنصب پنجہزاری مفتخر و مباہی گشت سلیقہ سخن سنجی درست دارد چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است چوں دریں ایام در دارالامان ہندوستان گرد سیمہ آفات وشاہراہ بیتاب است بپاس آبروے خویش سفر بنگالہ گزیدہ وہمانجا رخت اقامت انداخت از وست

مے واسطے ساقی نہ میں یہاں چشم تر آیا — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

نہ الفت نے محبت نے مروت — تیری خاطر کوئی بدنام کیا ہو
کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
شکوا تو کیوں کرے ہے میرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں میرے لوہو سے بھر گئی
شانے کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹنے — یک عمر چاہیئے تیرے زلفوں سے چھوٹنے
کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہماں تیرا
عاشق کے دل سے پوچھیئے اس غم کو اے فغاں — الفت بڑی بلا ہے کسی کو خدا نہ دے
کٹی تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی گھڑیاں — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہو گھڑیاں
مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے — او میرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
صبا ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر — گریباں چاک رہتا ہے فغاں سکا سبب کیا ہے
نہ اے قاصد میں رو رو یار کو فریاد کرتا ہوں — ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
یاروں نے سن لیا ہے اسیر یکے نام کو — پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

رباعی

گر تونے کی یاری یاری دوں بھی گذری — ور ہم نے کی آہ و زاری دوں بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری دوں بھی گذری

واجب التعظیم والتکریم میر محمد حسین کلیم متوطن دہلی است مراتب دانش کسب کرد و سرمایہ سخن سرائے بدست آوردہ در علم عروض و قوافی رسالہ ہا دارد پیش ازین ترجمان فصوص بزبان ریختہ نظم می کرد و بسبب بعضے عوارض دست ازاں باز داشت حاصل کلام چنیں شاعر زبردستے است کہ او را پہلوان میدان سخن میتوان گفت قریب بیست ہزار بیت طور قصیدہ و غزل بوضع اشعار میرزا بیدل در حیز خامہ

دو زبانش ترتیب یافتہ از انجملہ انچہ بدست فقیر آمدا نیست ۔

تجھے برق خار سے کام کیا جو تو چاہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

رکھے ہے انتظار دیدہ یعقوب پر موسی
ہر ایک اعضا میرا کوہ خمیر ماہ کنعاں تھا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کے کہ یہ شیشہ سنگ تھا

درازئے شب ہجراں زلف یار کلیم
تو مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکے حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

قرباں اس ادا کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے میں ہوگا

نقاب اپنے منہ سے جو تو یار کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں ا تو یہ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

عمر رفتہ کا نپایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

غرور حسن ممکن نہیں کسیکی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

میرا آتش کدہ دل کا کہیں ٹھنڈا نہیں ہوتا
بجھاتے نہیں ہیں جیسے زردشت آتش

بجھونا مجھکو اے بیدرد سخت ہاتھوں سے
دل گداختہ ہوں آہ و درد کرتا ہوں

اب دم شمرد کی ہے مجھے کام پڑا ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

کرم الله خان درد نبیرهٔ نواب اصالت خان مرحوم پارهٔ از علوم رسمی اندوخته
بقافیهٔ سخن مشغول شد ثمر استعدادش هنوز نارسیده برخاک افتاد۔

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہوجاوے — تو پوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہوجاوے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر — اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہوجاوے
ہر اک دم سانس ہو کر جان مجھ دل میں کھٹکتی ہے — خلش جی کا اگر نکلی تو کیا آرام ہوجاوے
ادب ضرور ہے اس خاک آستانے کا — تڑپے تو اس طرح بسمل کہ بال و پر نہ لگے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو — پلک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے
سامنے ہوتے ہی پھر نقش نپائے دل کے — ہٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ
ظالم کروں میں ظلم سے فریاد کب تلک — ٹک رحم بھی ضرور ہے بیداد کب تلک

میر فرخ علی

میر فرخ علی از سادات قصبهٔ آماده است در سپاه پیشگی میگذارند ذهن سلیم و
طبع مستقیم دارد اکثر شعر فارسی بر طرازه گاه گاه بطور ریخته نیز فکر میکند خوش خوی
و آشنا روی در نهاد اوست۔

اسقدر مجھسے ہو کیوں اے بہوشان نا آشنا — میں بھی تو شاید کسی دن تھا تمہارا آشنا
گو ہوا تیرے تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال — پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہ کن سا آشنا
چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر — عشق میں تیرے ہو مجھسے جدا کیا کیا کچھ

ہدایت

میاں ہدایت الله هدایت تخلص میکند زادگاه او دهلی است مرید و شاگرد
حضرت خواجه میر صاحب است بسیار باستغنا میگذارند و آبرو بر در هانمی ریزد بالجمله
مردی از قوم افاغنه با این جمعیت اخلاق و احوال برخاسته لاله سده رائے کے

پیشکار خالصہ بادشاہے است چیزے تواضعش میکند و منت قبول آں بر سر و دوش خود میگیرد و چوں ہمسایہ فقیر سکونت دارد از وست

بھلا بتا تو میری جاں کچھ ہدایت نے
تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تیرے زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

یاد کرتے ہی زلف کی ہے قہر
پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

کیا کہوں تجھ بن مجھے ہر دم دم شمشیر ہے
سانس جب پلٹی ہے گویا باز گشتی تیر ہے

دولت بے سعی کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قدر
ورنہ مشت خاک اپنی کیا کم از اکسیر ہے

مجھ دل سے تیر عشق ترا پار ہو چکا
ہونا جو کچھ تھا سو تو میرے یار ہو چکا

نت اوٹھ کے مرنے سے تو ہم آیت ہوں بجا من
مرنا بھی گر ہوا کہیں یک بار ہو چکا

ہم دوانے وہ نہیں ہیں جنہیں زنجیر کریں
آگے خاطر میں جو یاروں کے ہو تدبیر کریں

کیا کہوں میں کہ ترے ہجر میں کیونکر گذری
وہی جانے ہے میری جان کہ جس پر گذری

دید عالم کا کوئی دم کیجیے
کس کی شادی و کس کا غم کیجیے

دیدہ و دل ہیں گھر تمہارا ہے
آئیے بیٹھیے کرم کیجیے

اے کہ ماتم میں عزیزاں کی ہے تو خاک بسر
بیخبر کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے کہ نہیں

قلندر
بدہ سنگھ قلندر تخلص ہندو پسرے است عیالش از نعمت دنیا حظے وافر داشتند و از شوریدگی دماغ دریافت از خویش و قوم خود گسیختہ قلندر برآمد

مجکو کیا مے جنوں نے آکر دی
ساری عقل و خرد ہوا کر دی

تجھ سے مل کر ہوا میرا دشمن
تو نے اس دل کو کیا بلا کر دی

اے قلندر جہان معنی میں　　داد تو نے سخن کی آ کر دی
پارس اور ہند کر دکھایا ایک　　اینچہ اعجاز بر ملا کردی

بیان

خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان ہنگامہ آرائی صحبتِ اشعار است در فن ندیمی دستمایہ دارد پیش ازیں کہ کے خان فغاں در دہلی بود بنا بر علاقہ محبت باو میگذرانید درین ایام بیکار است او تعالی در خور مراد جمعیت ظاہری و باطنی کرامتش کناد

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش مجھ سے یار تھا　　در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا
جفا یک لمحہ جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں　　ستم ہوتا اگر الطاف سے اسکی جو میں کرتا
مصلحت ترک عشق ہے ناصح　　لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو　　انہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا
کیا چلے تھے راز دل کہنے کو لوگوں میں بیاں　　آپ بھی مطعون ہوا اور اس کو بھی رسوا کیا
بیاں تیرے کوچے سے چلتا ہیگا　　میری جان تو ہاتھ ملتا رہیگا
ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف　　کافی ہے پاس اس دل ناشاد کی طرف
کروں شکوہ درد و غم کب تلک　　بہر حال جیتا تو ہوں اب "تلک"
کچھ بے ادبی کی ہے بیاں تو نے بھی اس سے　　ناحق کوئی دیتا نہیں دشنام کسی کو
حسرت پہ اس غریب کی آوے اجل کو رحم　　بالیں پہ جس کے یار دم واپسیں نہ ہو
جادو تھی سحر تھی بلا تھی　　پیارے وہ تری نگاہ کیا تھی
کدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو　　ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
مارا ہے بیاں کو یار جس نے　　کیا جانئے کونسی ادا تھی
مت آیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی　　جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

کس واسطے شتابی جانے کی اسقدر ہے | گو صبح ہو پیارے یہ بھی تو اپنا گھر ہے

کون کہتا ہے باوفا تجھ کو | کذب ہے افترا ہے تہمت ہے

یہاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو | تجاہل کے قرباں تغافل کے صدقے

الجھ دیکھو دامن سے اس کے بھی ہاتھوں | یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے

لب تک تو شکایت سے آئی | پھر آگے حجاب سے نہ نکلی

آئی نہ جگر سے آہ باہر | یہ سیخ کباب سے نہ نکلی

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا | عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیگا

غنچوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں | زانوں پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

میر سوز — سیادت پناہ محمد میر مطلب خوشنویس بے نظیرے است خط شکستہ و شفیعائے خوب می نویسد نحتے از موسیقی آگاہ در مبادی حال میر تخلص می نمود چون اورا با میر تقی معارضہ افتاد ازاں باز سوز تخلص کرد با فقیر قدم آشنائے دارد و ازانجا کہ داخل توپخانہ بادشاہے است بسبب ہم قربگی اکثر بدربار معلی ملاقات میشود

شہرہ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا | اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

تجھ ستی سن اے ظالم کوئی بھی ہے گردیدہ | دیدہ ہیں سو گریاں ہیں دل ہے سو ستم دیدہ

اے آہ ابھی رہ جا دل چین سے سوتا ہے | مشکل ہے اگر چونکے یہ فتنہ خوابیدہ

آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتیں | پرہیز اگر کرتا بیمار نہ ہوتا میں

نہیں دیتا ہے مجھ کو چین یہ دل بیقراری سے | ٹک جھپکے تو دکھلا دے کہ میں بیہوش ہوتا ہوں

چین آتا نہیں مجھے یارب | دل پر اضطراب ہوں کس کا

شوق — میر حسن علی شوق سپاہی پیشہ است ہمیشہ بروزگار عمدہ گزرانیدہ اکثر شعر فارسی

در پیش دارد و خود را از شاگردان خان آرزو می گیرد۔

پڑھ کے مجھ خط کو یہ جواب دیا — نامۂ شوق کا جواب نہیں

محمد فقیہ درد مند تخلص می کند در عنفوانِ شباب حسنِ دلفریب داشت شاہ ولی اللہ اشتیاق کہ در طبقہ ثانیہ گزشت بمشاہدہ جمالش عمر از سر نو می گرفت چوں گل زیبا از رنگ و بوئے وفا اثرے ندارد باندک تغیر گسیختہ بمرزا جان جاں مظہر پیوست مدتے بخدمتِ ایشاں استفاضہ آگاہی کرد بقافیہ سخن سنجی بر آمد چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحہ روزگار از وے یادگار است۔

قفس تک بھی نہ پہنچی اور پڑی دور آشیانے سے — عجب ساعت سے بچھڑے تھے چمن کے آشیانے سے
الٰہی مت کسی کو پیش رنج و انتظار آوے — ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

صدر نشین بزم شعرائے متاخرین انعام اللہ خاں تخلص یقین شاعر صاحب طرز یگانہ عصر و وحید دہر است باخلاق حمیدہ اتصاف دارد و مصرع از زبان ہائے خامۂ سحر طرازش با ایں ہمہ لطف و خوبی می تراود کہ بمجرد استماع دل عشاق قطرات خوں شدہ از دیدہ فرو میچکد بزرگانش در بلدہ سہرند اقامت داشتند و اکثرے از شرفا و روسائے آن ضلع بخدمت ایشاں استفاضہ معنی می کردند چوں والد شریفش بدار الخلافت رسید حمید الدین خاں کہ ملقب بہ نیمچہ بود صبیہ خود را بہ آں بزرگوار نامزد کرد و ایں معنی را موجب افتخار خویش دانستہ بالفعل خان موصوف بمنصب ہزار و پانصدی سرفرازی دارد و پیش ہم چشماں خود معزز و موقر است حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

ہے تیرے داغ سے تر سینۂ سوزاں میرا — آب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا
غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل — بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

موج دریا کی طرح ضبط میں آسکتا نہیں
کیونکہ لکھے کوئی احوال پریشاں میرا

روا گر دیجئے اس کو بھی کبھو عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن
چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا

گیا بدن ہو گا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

رہا میں بیخبر افسوس لذت سے اسیری کے
اگر یہ جانتا تا کنج قفس میں آشیاں کرتا

اگر مر گر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گماں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیر ہے آئینہ کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہو گا

ناچار ہے دل اپنا گیا خاک میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

جو کچھ کہیں یہ تجھکو یقین ہے سزا تری
بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج یا دل بیطرح امڈے ہیں یہ برسینگے زور

خال گورے منھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں لگتا نظر کرنا بیاباں کی طرف

اس ہوا میں رحم کر ساقی تو دے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھ سنکے ساقی بات پی جانیکا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں
کس کسطرح کی باتیں آتیں ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو
گیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہو گا دوانہ باؤلا سا کنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیر یہ
مرتا ہے یہ دیوانا اک کھول دو زنجیر یہ

وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنما تر ہے
کسی کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

گالی بھی پی گئیں ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

کوئی یہ چاند سا منھ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا
گذر آتش پرستی سے یہ پروانہ سی کہدیجو

اسیران قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہمکو خبر کیجو

منھ اپنا نہ دیکھا کر ہو جاے گا دوانا
آئینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں یاں راتوں کو سو تیری بلا جانے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس نشئی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمین کیجیے

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

ہمیں ہجر چمن ہے موت پر صیاد کیا جانے
جو گذرے سر پہ مقتولوں کے سو جلاد کیا جانے

دوانا ہوں میں جی دینے پہ مجنوں کے سلیقے کا
مزہ لے لے کے مرنے کیطرح فرہاد کیا جانے

مجھے یہ بات ہمگی یاد ایک مجنوں عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گذرے گریباں سے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہ نہیں ہیں آخر گلستاں کے

ٹک اک انصاف گر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

اب تو کیجیے نگہ لطف کہ ہو توشہ راہ
کہ کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہے

افتادہ مزاج و خدمت گزیں میر باقر المتخلص بحزیں از سادات اکبرآباد است پیش از یں بعلاقہ روزگار در دہلی بود الحال کہ کساد بازاری مردم کار است بنگالہ رفت

وہ کہ ہے ملک سلم جسے یکتائی کا ہے	خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن	سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

فراق
مرزا مرتضیٰ قلی فراقؔ از ملازمان توپخانہ بادشاہی است اکثر شعر فارسی برطرازد ود ور سخن سرائے سلیقہ درست دارد ہر چند آں طوطیٔ شکر شکن متولد ہندوستان است لیکن نظم کلامش ماناں بفصحاے ایران۔

تماشا اس چمن کا کس کے دلکو شاد کرتا ہے	کہ یہاں تک لب تبسم غنچے کو برباد کرتا ہے
اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں	کوئی اُن ہم نوایوں میں سے ہمیں کبھی یاد کرتا ہے

خاکسار
میر محمد یار متخلص خاکسار مردے است جنتی از خادمان حضرت قدم شریف در حقیقت متمکن و باعتقاد خود ظریف ہر چند حسن با آشنا و غیر آشنا بر سر رشتہ مزاح می آرد لیکن ہمکش تاب شنیدن جواب ندارد و بنا بریں از تمام عالم شاکی است چنانچہ حضرتم مرزا رفیع صاحب نقل می کردند کہ روزے بندہ و ایں عزیز بخانہ مرتضیٰ قلی وارد بودیم ایں بابا بے موقع وقت اختلاط تقریب شکوۂ میر تقی بمیان آورد بحضار تکلیف ہجو میر مسطور کرد ہر گز ایں معنی را ہیچکس قبول ننمود مگر بپاس خاطر ہماں لحظہ ایں مطلع را موزوں کردہ حوالہ اش نمودم۔

میر کا مکھڑا ہے یہ تہا گل زنبق سا ہے	پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ ہنتق سا ہے

بمجرد شنیدن قریب بود کہ حاضران مجلس از فرط خندہ ہلاک شوند و ایشان نیز بدستور چوں ساعتے بریں منوال گزشت دید کہ یاران دست از خندہ برنمیدارند نگاہے بر شکم خود کرد و فعتاً برخاست و پرو پوچ و حشو کہ در دنیا بود تحویل سامعہ میرزا و یاراتش نمود ہر چند مردم روبسماجت آوردند ہیچ فائدہ نکرد از آں روز ترک ملاقات است

دل آشفتہ ہو کے کیا لیا میں — اے خانہ خراب کیا کیا میں

ترے زلف سیہ سے اے پیارے — مجھ کو ہکیسر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کے تو آنکھوں کے گھے مت لگیو — مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم — روز محشر کو اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے لازم تجھے حاصل میرے بجھانے میں — آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسا عاشق میخوار کو تقوی سے کیا — ابھی دیکھا تھا میں اس زہد کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی — اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو تیرے پیارے — یہ تیرا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجو حجام — تار اس زلف کا رگ جاں ہے

صلاح الدین تمکین شاعر خوبے است و خل را از خرج قشا سدہمواره باو لکاب شراب مشغول است تا مست طافح نشود وست بر ندار د از وست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجھکو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

خانہ برانداز محبت خراماں میر عبدالحی المتخلص بتاباں جوانے بود در نہایت حسن و جمال ہمصحبت یاراں حال با وجود لیلی انشی مجنوں را داب محبت آموختی و باکمال انجمن آرائی شمع وار داغ . برجگر سوختی اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ داشت آخر حال برفاقت نواب عنایت اللہ خاں بہ تنعم می گذانید چوں در خوردن شراب کثر تھا کرد رطوبت فضلی بہم رسانده مستسقی گردید و بہمیں احوال از جہاں رفت۔

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دل بیتاب کا — آب جسکو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا
اے طبیبو سوائے وصل کبھو — کچھ بھی درماں ہی عشق کے تپ کا
بیتابیوں کا عشق کے کرتے ہو کیوں گلا — تاباں اگر یہ دل ہے تو آرام ہو چکا
ساتھ تو سوتا ہے ظالم پر گلے لگتا نہیں — منتیں کرتے ہی کرتے آہ ہو جاتی ہے صبح
آتے میری خبر چشم میرے یار کی کیونکر — بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر
دن تو تجھے جاتا ہے تڑپتے مرے تاباں — سچ کہہ کہ حقیقت ہے شب تار کی کیونکر
سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں — کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں
غم وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا — ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں
تیرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک — قاصد پھرا نہ وہاں سے لیکر جواب نامہ
تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے — آہ کیا چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے
تیری ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز — گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے
آج تھمتے نہیں میرے آنسو — تیرے کوچے کی راہ پائی ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنے — مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
یوں تیری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی — ایک زنجیر میں جیسے ہوں گنہگار کئی
مرگ کے سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز — رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

چشم وبینش ودانش مردمک دیدہ آفرینش افسر فرق بختیاری نقش و نگین پائدار اے اشرف اہل زماں وزیر الممالک غازی الدین خاں بوالافطرتے وشگفتہ روئے معروف است احوالش از کثرت اشتہار محتاج بتکرار نیست ع
آب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را ۔ درایامے کہ فقیر ایں غزل طرح کردہ بود

که مطلعش اینست۔

کوئی دن آگے بھی زاہد عجب زمانا تھا ہر ایک محلہ کی مسجد شراب خانہ تھا

درہماں ردیف وقوافی بتغیر بحر چند شعر برا ہستہ موزوں کرد کہ مثل آں بسیار بتلاش میتواں گفت وہمیں نسق گاہ گاہ علی سبیل تقریب یک دو مصرع ریختہ وفارسی فکر می کند چنانچہ ایں مطلع از ہماں غزل است

کھولنا زلف ایک بہانہ تھا مدعا ہم سے منھ چھپانا تھا

خاں رفیع الشان مہرباں خاں بہادر جوان خوش ظاہر و باطن پسر خواندہ نواب امیر الامرا غالب جنگ محمد احمد خاں بہادر است ذہن سلیم وطبع مستقیم دارد اکثر بمقتضائے موزونی طبیعت با شعر وسخن واہل آں الفت تمام دارد چنانچہ میر سوز وغیرہ دو سہ شاعر ریختہ از قدیم بخدمت او می بودند دریں اثنا یگانہ جہاں اشرف زباں حضرت مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں بہادر در بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزائے موصوف را برفاقت خود گرفت از انجا کہ تربیت اہل کمال را اثرے تمام است سخنش ایں ہمہ ترقیات نمایاں کرد کہ بالفعل شاعر زبردست را از عہدہ آں برآمدن دشوار است چنانچہ در ردیف وقوافی مشکل زمیں غزل تازہ می پیماید وداد سخنوری میدہد حق تعالی سلامتش دارد از وست

کسے نے رو رو کے قسمت میں کچھ نئی شام لے آیا ہمیں سے کچھ نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

حافظ حاوی سخن لالہ بندرابن من سکان بلدہ متھرا یار ان مرزا صاحب است بہ نسبت مہر ریختگی راقم تخلص می کند قوت حافظہ بکمال دارد چنانچہ قصیدہ صد بیت بہ یک

شنیدن یادگرفتہ بہ تکرار آں مشاغل نشود بالجملہ مذاق سخن درست وار دخصوصاً غزل رابرنگے مخمس کند کہ زیادہ از پنجۂ خارے گل رخاں ناخن بدل زند

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا
چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا

پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات عالم کا
صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلف کے خم کا

جو کہ مائل ہے تیغ ابرو کا
تشنہ لب ہے وہ اپنے لوہو کا

تیری عضا میں تجھ کمر سے میاں
فرق ہرگز نہیں سر مو کا

راقم ہوتا نہیں وہ ہم آغوش
کیونکے ہو دور درد پہلو کا

حاضر ہے ترے سامنے راقم کر اسکو قتل
مجرم یہ سب طرح سے ہے پرنگاہ کا

ترے پیچھے پیارے دل اشک کی طرح
گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا نہ پایا

ہے زلف میں تیری جائے عاشق
زنجیر ہے اور پائے عاشق

اے عشق تو اس طرح مجھے مار
تا یار کہے کہ ہائے عاشق

دیکھا ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سنتے تھے ہم جہاں میں ہے اہل کرم کے ہاتھ
آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مرے مے پیتے ہے زاہد کریں تو سنگسار
زہے وہ عمل کہ ہوئے سبب نجات یاراں

کیا ہنسے ہے تو مرے سینہ صد چاک کو گل
سرفرو لاکے تنک اپنے گریباں کو دیکھ

معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر میرے عصیاں کو دیکھ

ابرتر سے چشم گریاں کم نہیں
موج دریا ہے شکنج آستیں

زلزلے کو ایک دم فرصت نہ دے
ہوئے دل میرا اگر زیر زمیں

یہاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

مژگاں سے دل بچے تو ابرو کرے ہے ٹکڑے — یہ بات کہہ کے میں نے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوئے خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی
دیکھا میں رات جا کر احوال چشم راقم — برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی
کس کے گلو کا قطرۂ خوں ہے نہ زمیں — جوں تکمہ اوگتے ہیں گل اورنگ افلاک
بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہہ کو — اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں — کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہتا ہے کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ — اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

مخمس من تصنیف راقم کہ غزل مرزا صاحب را تضمین کرد

مخمس

نشو و نمائے باغ جہاں سے رمیدہ ہوں — شادابی ریاض سے دور آفریدہ ہوں
فکر غم خزاں سے بہت آرمیدہ ہوں — نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

یارب میری کٹے ہے عجب طرح صبح شام — حیرت ہی میں گذرتی ہے میرے تو ایام
مطلب غم سے مجکو نہ کچھ خرمی سے کام — گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

مجھ سے تو بیدماغ عبث آمیاں ہیں — گو سو طرح کی حسرتیں اس دل کے بیچ ہیں
اظہار اوسکا مجھسے ہو کیا سکے اس ایں — تو آپ ہے زباں زد عالم ہے در میں
یک حرف آرزو سو بلب نارسیدہ ہوں

سنتا نہیں ہے درد رعیت کا بادشاہ — قاضی سو حسن دوست بتانکو ہے ان سے راہ

اور کو توال شہر کی رشوت پہ ہے نگاہ کوئی جو پوچھتا ہو یہ کس پر ہے داد خواہ

جوں گل نہار جا سے گریباں دریدہ ہوں

آیا نہ تجھ کو رحم میرے حال پر کبھو پونچھا نہ تو نے آ کے میری چشم سے لہو

دیویگا کیا جواب خدا کے تو روبرو کر تا ہے جا کے گل کی تسلی چمن میں تو

خون جگر میں میں بھی تو دامن کشیدہ ہوں

بسمل عفت نہیں مجھے آرام ایک تل ہے مرگ میرے دم سے نہایت ہی متصل

ملنا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل غافل ہے کیوں تر امیری فرصت سے گوش دل

اے بے خبر میں نالہ حلق بریدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھو کہ ترا رنگ کیوں ہے زرد کہتا ہے گاہ یوں تو مجھے بھر کے آہ سرد

تو کون ہے جو ملتا ہے پھر سے اپنی گرد میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

مرزا محمد حسین متخلص بمخلص متوطن شاہجہاں آباد نبیرہ وزیر خاں مرحوم است کہ در عہد عالمگیر بادشاہ فوجدار بلدہ سہرند بود ہر چند خانہ زاد موروثی است لیکن چوں ارکان سلطنت از احوال امثال چنیں مردم غافل واقع شدہ از بنا براں بنقدی قلیل در رسالہ گذر خدمت می نماید حق تعالی سلامتش دارد۔ مخلص

سرخ چہرہ ہے نہیں خون کسی کا یارو باندھیو باندھ میرے لال پہ بہتان نکرو

محمد محسن محسن تخلص جوانیست نو خواستہ خلف الرشید میاں حسن کہ خواہر زادہ خاں آرزو است طبیعتش خیلے مناسب شعر افتاد اگر چندے مشق خواہد کرد بسیار برتبہ خواہد گفت۔

یوسف مصر بھیجتا ہے کوئی — تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ — زندہ کرتا ہے نام عیسی کو
دور سے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے — میرے جنوں کا ابتو زمانے میں شور ہے
میرا رنگ رو اس قدر زرد ہا ہے — کہ یہاں زعفران ابھی گرد ہے
اگر شیخ دوزخ میں گرمی زور ہے — مرے پاس بھی یک دم سرد ہے
بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے — اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے
ٹک راہ پر تو آ و اب سیر کو کہ محسن — مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے
تعزیت دار حسرت دل ہے — یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے
دل پر آبلہ میرا محسن — رشک آئینہ حبابی ہے
اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالہ شب کا چرچا — دیکھو تو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبع نازک کو مرے ہاتھ میں رکھو تو کہیں — قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں
ٹک ابرو ہلی عاشق الٹ گئے — مجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے
کیا جانے وہ شوخ کدھر ہی کدھر نہیں — مجکو تو تن بدن کے بھی اپنی خبر نہیں
اس دشت پرخطر کا میں تنہا ہوں جہاں — آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں
اے دیدہ خانماں تو تو اپنا ڈبو چکا — اب روتا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
محسن مرد نہیں تو بھلا جی کے کیا کروں — اک دل بساط میں تھا سویں وہ بھی کھو چکا
دل میرا وابستہ ہر تار زلف یار ہے — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر — جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے
نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت — لئے ہی جاتی ہے دل وہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں ہیں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی ہی جاتی ہے آرمان کہیں

کبتلک نزع کی حالت میں ہوں میں اس ب
ہو بھی اے مردن دشوار تک آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

ضیاء

میر ضیاء بشاہد پرستی مشہور است ولیل و نہار باشاہدانِ روزگار محشور ظاہر حالش آراستہ تمکین و صلاح است یمکن کہ باطنش نیز بخیر و فلاح باشد

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاکمیں ملے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

جوں چنار اس جا نہ بھوے ہیں نہ پھل لاگے ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

مغاں میخوار سب یہاں سے دلوں کا کام اٹھے
ہمیں ہیں نامراد ایسے کہ خالی جام اٹھے

قدرت

دانش آگاہ شاہ قدرت اللہ از بنائر شیخ عبد العزیز است کہ مزار شریف ایشاں پہلوئے چپ کوشک واقع است در عنفوان شباب چندے چرکشے گردہ بسودائے خدا پژوہی افتاد و باکثرت از مشائخ روزگار در خور دار اچوں کارہا در گرو تقدیر است اورا از صحبت تبرکہ ایں طائفہ کشادکارے دست نداد آخرِ حال بخدمت شاہ عشق اللہ کہ سردفتر قلندراں زمانہ بود ملاقات کرد و بمقتضائے مناسب مزاج در اندک مدتے کار خود را باتمام رسانید بالجملہ اورا حالتِ شگرف حاصل است کہ ہیچ گاہ افاقتِ از آں متصور نیست باوضاع شتے میگذراند و یک طور مقید نیست براحوال فقیر شفقت ہائے کند حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

وہ دن آتا ہے کسی کو نہ کوئی یاد رہے
نام مجنوں بھی نے شہرۂ فرہاد رہے

ہماری خاک پر کہتے یہ بلبل سفیر آئی
ارے کس نیند سوتا ہے دوانے اٹھ بہار آئی

آوے کیونکے پاویں جہاں ڈھونڈھتے ہیں — کہ وہ بے نشاں ہم نشاں ڈھونڈھتے ہیں
تمنا کو ہے مژدہ نا امیدی — کہ وہ کس جگہ ہم کہاں ڈھونڈھتے ہیں
آپنے سے ترک کرے یار ہوسکے یہ نہوسکے — ایسے مقام سے کنار ہوسکے یہ نہوسکے
چشم جو عین وصل میں رہتی ہے تشنہ جمال — ہجر میں ان سے انتظار ہوسکے یہ نہوسکے
وعدہ سلسبیل پر ہمسے تو آج واعظا — ترک شراب خوشگوار ہوسکے یہ نہوسکے
جاوے اے قدرت اس جگہ بہی یہ ذلتیں اٹھا — اپنی تو آنکھ پھر دوچار ہوسکے یہ نہوسکے

میر ابوالحسن وحشت چندے غزال روحش بحیراگاہ وجود مستانش گشتہ بصحرائے عدم شتافت۔

میں تو شروع نزع سے کی تھی تجھے خبر — پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا
کہہ گریۂ شب گاہ میں آہِ سحری ہوں — جو کہئے سو ہوں پر گریۂ بے اثری ہوں
جس پاس میں جاتا ہوں سو ہنسے ہے پھر مجھ سے — گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں
قاتل اگر کہے کہ سکتا ہی چھوڑ دیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ دیو
شیشہ نہیں جو مول لیا دیں گے پھر اسے — پیارے یہ دل ہے اسکو سمجھ کے توڑ دیو
گرونگا اس دوانے دلکی میں تدبیر آنکھوں سے — لگی ہے بہنے موج اشک کی زنجیر آنکھوں سے
مثال عکس آئینہ نکل جاتا ہے جی میرا — جبھی ٹک دور ہوتے ہی تری تصویر آنکھوں سے
کہیں یہ چھوٹ دیکھا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں — صریحاً تو چلا جائے مجھے کہتا ہے آتا ہوں
جس سے ہو آشنائی کا رشتہ نہ توڑئے — گھٹتی ہے اس میں توڑ کے گر پھر جوڑئے
نسترن ہے گل ہے سوسن ہے گل اورنگ ہے — اے بہار باغ بے رنگی یہ کیا کیا رنگ ہے
بید مجنوں کی طرح جتنی بڑھی گھٹتی ہے — شجر عمر کی بالیدگی معکوسی ہے

سلام

نجم الدین سلام محاسب سخن بود شعر را نیکو می فهمید همراه لشکر نواب صفدر جنگ به پورب رفته ودیعت حیات سپرد۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ　　درازی رات کی بیمار سے پوچھ
بتا ہو قسم ہے تمہیں میرے صبر کی　　مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ کاشی ناتھ

لاله کاشی ناتھ متوطن قصبه پٹیاله پسر نونده رائے پیشکار سیت از ناموزوں تاموزوں فرق میتواند کرد۔

مجھ دل کا اے طبیب سمجھ کر علاج کر　　مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا

جولاں

میاں رمضانی جولاں تخلص مرد عزیزے است در شیوۂ کمانداری خود را از اساتذه برشمرد گاه گاه برسبیل ندرت یک دو مصرع ریخته موزوں می کند۔

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن　　جیوینگے ہم سے شخص کیا تجھ بن
نرم لڑکے کی بنی صورت کڑی　　رانگ کی تلوار یہ کس نے گھڑی

عارف

محمد عارف رفوگر در فن خود استاد برنگ سوزن انگشت نماست از پیوند پیکان سر رشته سخن سرائے بدست وے افتاد

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں آ عارف　　اگر زلف سیہ کا پیچ منہ پر اس کے کھل جاوے
دختر رز سے کہہ کر اس سے ملے　　ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

بسمل

بسمل آہنگ سخن گوئی دارد اما از کم بضاعتی در گرد عاجز بیانی است چیزے که در دل او تراند برلب اظہار نمی تواند آورد۔

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ　　ملاتا اپنے تیں وہ خاک و خوں میں

شاغل خود را شاگرد بسمل گوید اما شعرش از استاد بسیار بهتر است۔

شاغل کو روز شب ہے تیرا ذکر زلف و رخ
جاتی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ

یکرنگ ہمرنگ دلاور خاں نام برادر حقیقی میاں یکرنگ است مزاج او بپیرایہ سادگی دارد و اکثر حرفہاے ناشمردہ برگذارند۔

کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا

اس تغافل شعار نے نہ پڑھا
میں تو لکھا تھا اسکو خط ہمرنگ

بیدار میاں محمدی بیدار از خوبان روزگار است فہمے تیز و تند دارد و از چندے تغیر لباس کرد باستغنائے تمام بسر برد۔ از وست

کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو
صفا الماس و گوہر سے فروں ہے تیرے دندانکو

سیر گھاسی میر گھاسی از یاران میر محمد تقی است لختے از اسلوب سخن طرازی آگاہ است

تیرے آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل
تو ہوا در باغ ہوا اور زمزمہ کرنا بلبل

عشاق جیون لال کھتری است عشاق تخلص میکند میر محمد تقی در اعشاق ذو اللحے گویند چہ در عرف اہل ہند کہ عبارت از مردم اردو است عشاق زن چھٹی باز را گویند اکثر بگفتن شعر ریختہ و فارسی اشتغال دارد سلیقہ سخن سنجی از تخلص وے پیدا است۔

آخر خزاں نے کھو دیا پاڑا بھار کا
سر سبز خط سے دونا ہو حسن یار کا

رسوا آفتاب راے نام جوہری پسر بود شوریدگی دماغ بمرتبہ اتم داشت اصلا مقید ملت نبود از ہر جا کہ چیزے بہم میرسد میخورد و اکثر سیاہی تابہ بر چہرہ مالیدہ مست شراب در ڈولی نشستہ بکوچہ و بازار شہر می گردید خیل خیل مردم ہمقا صورت عجیب و غریبش ملاحظہ نمودہ ہمراہ او میگشتند مدت چند ماہ است کہ ہمیں احوال از جہاں رفت۔

قفس سے دول گئے ہم اور چمن میں جا رہے نہیں | اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پاے نہیں
آرام تو کہاں کہ تنگ ہو کے چپ رہوں | آنسو بہے نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہوں
وصل میں بیخود ہے اور ہجر میں بیتاب ہو | اس دوانے دل کو رہوا کسطرح سمجھائیے
یار گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در | ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

فرحت

شیخ فرحت اللہ فرحت از اولاد قاضی مظہر خلیفہ شاہ بدیع الدین مدار است دلش از دست حریفاں بہم رسیدہ و سودائے مفرط در دماغ پیچیدہ است گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ اختراع ایں بروزن مشاعرہ است بنظر می آید و بسیار جوشش و دل گرمی می نماید۔

یار اٹھ گئے جہاں سے اغیار رہ گئے | خالی ہے چمن ستی گل، خار رہ گئے
نہیں ہے قدر تری دو جہاں میں اے فرحت | کسو کے چشم سے جوں اشک تو گرا تو نہیں
آتی ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی بو آج | سچ کہہ تجھے سوگند ہے آتی ہے کدھر سے
ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہوگا | یہی مگر نہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا
جو کچھ کہ ہم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ کہا | میرا برا ہوا گر میں نے کچھ کہا ہوگا
میری لوح مزار اوپر لکھانا | کوئی دل کو کسی سے مت لگانا

میر ہادی در کمال سعادت پرستی و نیک نہادی از قدیمیاں عنایت اللہ خاں کشمیری است دریں ایام بتقریب وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں پایۂ امتیاز دارد و اکثر در انجاح حاجات خلایق کوششہائے بلیغ بکار می برد ابیات دیوانش قریب ہفصد بیت از نظر گذشتہ بعد یک دو ورق شعر بامزہ می آید

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم | کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

خنداں خنداں پھرا جدھر تو | گریاں گریاں ادھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو | ہادی اُسے دیکھ مر گئے ہم
نامے کو تو لے گیا ہے قاصد | دل دھڑکے ہے کیا جواب آوے

عاقل

عاقل رائے سنگھ نام مردے سپاہی پیشہ متوطن پنجاب از آشنایان قدیم مرزا صاحب است طبع موزوں دارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فکر می کند۔

نہ بس اپنے سے کیا اُس کو رخصت عاقل | جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا | دل ہوا آنکھوں سے اب دست گریباں میرا
جب وہ کرتا ہے اُن لبوں کا وصف | عاقل اسوقت لعل اگلتا ہے

غزلت

غزلت، میر عبدالولی نام متوطن سورت مردے فاضل و عالم از بنائر حقیقت آگاہ شاہ عزیز اللہ سورتے است باوجود آبادی ظاہر بتعمیر باطن مشغول است در عہد سلطنت مرزا احمد بدارالخلافت تشریف داشت شاعر دوستے در مزاج او بمرتبہ بود بلکہ برائے مناسبت ایں طائفہ گاہ گاہ خود ہم دو سہ بیت موزوں می کرد

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں | یہ خاکِ حضرتِ مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونی گلستاں اپنے | گئیں ہیں بلبلیں کدھر جلا کر خانماں اپنے
جس چشم نگہ کو دیکھوں غفلت کی نیند لیوے | میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامہ شیخ | یا رب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑا جاوے
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سوائے بیکسی اے وائے کوئی مرا نہ رہا
اوسکو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں | کسی بدخواہ سے سنا ہوگا
نخل امید بیوفایوں سے | دل سلامت رہے تو پھل پایا

تجرد

میر عبداللہ تجرد شخصے است در دکھن بندہ از احوالش خبر ندارم زبانی میر عبدالولی کہ احوالش گذشت معلوم میشود کہ شاگرد منست

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اوسکے فلک کو خبر نہیں

میر میراں نیز شاعر دکھن است این دو شعر بنام او در بیاض میر عبدالولی مسطور نوشتہ یافتم دیگر احوالش معلوم فقیر نیست۔

آہ گر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے

بس کہ ہے آتش غم تیز در دل میری
ناوک ناز ترا دل ستی سوزاں گزرے

نثار

میر عبدالرسول نثار از سر آغاز آگہی بقافیہ سنجی مشغول است پیش ازیں در دہلی بسپاہی پیشگی می گذراند دریں ایام بسابقہ آشنائی سادات انجا بطرف امروہہ رفت

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

وہاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنے
یہاں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک و خوں میں
ہے صحن خانہ میرا میداں جنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار و لیکن نہ اسقدر
کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اسقدر

سونپا ہے تونے قتل مرا غیر کے تئیں
ہوں تو گنہگار و لیکن نہ اسقدر

گھر بار جان و مال ہر اس پر لٹا دیا
کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اسقدر

ہاتھ سے ان جامہ بوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

خواجہ اکرام

خواجہ اکرم مردے است نیکو سرشت اکثر رقعات بردیہ میر جعفر بر طراز و دگاہ گاہ غزل ریختہ نیز فکر می کند چوں بر نوشتن این بیاض او را وقوفے حاصل شد

ایک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نمودہ مع دیگر ابیات پیش فقیر آورد از نجا کہ مادۂ تاریخ مناسب نام کتاب بود بنا بر علیہ ہمان اسم موسوم نمود۔

قائم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو — کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش — پیر خرد نے مجھ سے کہا مخزن نکات
یکبار میرے دیر میں زاہد اگر آوے — میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے
صبا کہہ شوخ کی باتیں تیرے پیغام کے صدقے — نہیں بوسے سے کم لذت ہیں اس دشنام کے صدقے
فصل گل میں بے سبب نہیں بلبلیں کرتی ہیں دھوم — ہر ورق پر گل کے اسکی ناز کی تحریر ہے
نالے میرے سے کوہ بھی ہوئے تو گل سکے — پر آہنی دلی سے ترے کچھ نہ چل سکے

سلیمان سلیمان نظر یافتہ میر عبدالحی تاباں است از بد و حال تا سر آغاز شباب بخدمت ادمی گذارند چوں آن مہ تاباں از نیرنگی سپہر زنگاری در پردۂ کسوف فنا متواری گردید ایں بابا چندے تبلاطم حوادث ساختہ آخر کار بکنارۂ تالاب فرید آباد اقامت گزید چو دھری آنجا بر حقیقت حالش اطلاع یافتہ بسلوکے کہ شایاں خدمت باشد پیش آمد چنانچہ تا حال بلباس فقر بہماں جانگاہ بسر می برد۔

تجھسے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل — کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگر واری دل

زار مغل بیگ زار تخلص از یاران میر محمد تقی است با وجود کم بضاعت و نو مشقے طرز کلامش خالے از انداز نیست

مشہور تھے جو نالے میری گلی میں اوس کے — کوئی اور بھی جو دیا سمجھا کہ زار ہوگا

میاں مائل محمدی نام اصلش دار الخلافت شاہجہاں آباد است با وصاف حمیدہ

واخلاق پسندیدہ اتصاف دارد اور ا در سخن طراری طرزے مخصوص است و ازانجاکہ شعر خود از نظر شاہ قدرت اللہ خاں می گذارند بہ پرتو صحبت آں یگانہ زمانہ آتش شوق بکاشانہ باطنش جلوہ افروز۔

اتنا میں مرکے دل سے ترے دور ہو گیا
اک دن بھی آکے تو نہ سر گور ہو گیا

مائل کرے گا کب تیں گالی کا اسکی ننگ
اس بے ادب کا اب تو یہ دستور ہو گیا

جلوہ کرنے مدرسے ہی میں تو اے جانانہ تھا
دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

حال کہنے کی ندی گریہ نے فرصت رات کو
آج پھر کہوا اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

غلط کہے ہیں کہ معشوق زر سے ملتا ہے
کرے ہے کام محبت سو زر نہیں کرتا

بتو سے مل کے گنوا تم نے دین و دل مائل
یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

نالہ کو ہم نے ضبط کیا ناصحا تو کیا
منہ سے تو رنگ زرد چھپایا نہ جائیگا

اشک کی طرح گرا جب تو پھر اوٹھنا معلوم
میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاونگا

کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی اپنے گھر سے
میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا

غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یہاں سے
کہنے لگا کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا

تو تو مجھ پر ایک دم غصہ ہو پھر سوتا رہا
شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

ہے قسمت جو تجھ دید سے دور رہنا
تو بہتر ان آنکھوں سے ہے کور رہنا

اگر یاد میں اس کی گریاں نہو دیں
الہی ان آنکھوں میں ناسور رہنا

میاں تو اس آزار سے دور رہنا
ذرا اپنے بیمار سے دور رہنا

معلوم کچھ نہیں دل غمخوار کی خبر
کیا جانے کہ کیا ہے مرے یار کی خبر

بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا
کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

ہو جانہ رفتہ رفتہ تپ عشق کارگر ۔ مائل سنا ہے تو اس آزار کی خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس ۔ مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

ہونے دے قیمت آگے ہی ایدل بکا نجا ۔ دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس

عجب صحبت پر آ کے ہے ان دونوں کی آپسمیں ۔ جدا ایکدم نہیں رہتے جہاں ہو گل وہیں بلبل

سب یار ہیں تمہارے اغیار ہیں تو ہم ہیں ۔ آنکھوں میں یہاں سبھوں کے ایک خار ہیں تو ہم ہیں

چنگا بھلا ہے تو تو پیارے تیری بلا سے ۔ آزار ہے تو ہم کو بیمار ہیں تو ہم ہیں

مائل سے یار و مرد مسلماں پہ یہ ستم ۔ اللہ کا بھی اُس بت کافر کو ڈر نہیں

پیالہ پے ساقیا دے مجکو بھر بھر جام گلشن میں ۔ کہ وو نا لطف رکھے ہے مے گلفام گلشن میں

مجھے آہ و فغاں ان ہمصفیروں کا خوش آتا ہے ۔ وگرنہ مجھ سے دیوانہ کا ہے کیا کام گلشن میں

نالے میں شب کے فرض کیا میں اثر نہیں ۔ اے آہ صبح تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

کچھ تعجب نہیں گر مر گیا مائل تیرا ۔ یار کیا لگتا ہے انسان کے مر جانیکو

کہتا نہ تھا میں باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے ۔ آخر گیا نہ ظالم ایک بیگناہ جی سے

ہے وہاں کثرت سی پروانوں کی فانوس ۔ جہاں وہ شوخ شمع انجمن ہے

دل بجاں عشق میں کچھ لطف طرحداری ہے ۔ تیری سر کی سوں میری جان بڑی خواری ہے

مارا مجھے تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات ۔ مشہور ہے کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

ممتاز واجب الاعزاز حافظ فضل علی المتخلص بممتاز بہ بلند فطرتے موصوف و معاملہ دانی معروف است۔

رباعی

ممتاز کہ ہے تمام ایک عجز و نیاز ۔ دلکش ہیں ملاقات کے اُسکے انداز

تنہا نہ اسے فنِ سخن میں ہی دست　　ہر فن میں بفضلہ تعالیٰ ممتاز

از انجا کہ خلاصۂ طبعیش مائل فقر و قناعتست فقیر مولف نسبتے خاص دارد آلہی موافق استعداد از نعمت کونین نصیبہ اش باد۔

جستجو سے بخوشی ہاتھ اوٹھایا ہم نے　　ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نپایا ہم نے

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ　　یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ

جان تو حاضر ہے اگر چاہیئے　　دل تجھے دینے کو جگر چاہیئے

آرام رائے پریم ناتھ نام خلف الرشید رائے بشن ناتھ از قوم کتھری است ظاہر حالش چوں طبیعت خویش موزوں و موزونے طبعش از خوبے ظاہر افزوں خطاطِ بے نظیر و کماندار عدیم المثال است والد شریفش در پیشکاری دیوان تن دار و چوں ایں عزیز را در وارسے معاملات بہ از خود دیدہ در حین حیات ولی عہد خویش گردانیدہ است غزل فارسی بکمال تازگی و پرکارے فکر کند و گاہ گاہ یک دو بیت ریختہ نیز سر انجام دہد۔

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے جی کو　　خاموشی ان لبوں کی گپ چپ ہی کی مٹھائی

آشنا تخلصے از سخن طرازی آشنا است بعضے اشعار از نتایج فکرش ہم رنگ و تہ دار بر می آید۔

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا　　درد دل سے خبر نہیں رکھتا

کس طرح دل میں جا کروں اس کے　　نالہ میرا اثر نہیں رکھتا

آشنا کے تو حال سے ظالم　　اک ذرا بھی خبر نہیں رکھتا

کبھی تو مہرباں ہو ہم پر اے بت　　کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے

جوں نگیں مجھ کو رکھ تو سینہ فگار
کہ ترا اس میں نام ہوتا ہے

عشق ہے خوب نہیں اتنی بھی جلدی اے دل
دیکھ تو لے تو گرفتا کہاں ہوتا ہے

آشنا حیف تری قدر نہ جانی ان نے
ورنہ تجھ سا تو وفادار کہاں ہوتا ہے

نہیں معلوم کس کے غم میں ہے یہ بیقرار اپنا
نہ پایا اس دل بیتاب کا کچھ مدعا ہم نے

آشنا کیا بنے ہم کہ آخر کو
تجھ سے خانہ خراب کی صورت

عالم میں ہے جو کوئی نالاں ہی تجھ ستم سے
ہاتھوں سے تیرے شکوا ظالم کہاں کریں ہم

میر یادگار علی سید تخلص جوانے است سپاہی پیشہ از سادات قصبہ بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات است طبع موزوں دارد اکثر غزل ریختہ فکر کند ازانجا کہ متصل فقیر خانہ باشد ہمیشہ اتفاق ملاقات میشود خداش زندہ دارد۔

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تو دام اپنا
کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا

خوشیں باقی ہیں دل میں تس پہ آتی ہے بہار
دیکھیے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار

کیا اب امید کریں وصل کی ہم مرتے مرتے
عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے بھرتے بھرتے

کیا کہوں اپنی میں منحوسی طالع سے کہ جغد
آتا ہے مرے ویرانہ پہ ڈرتے ڈرتے

میاں سرمایہ اپنی مفلسی کا
یہی اک دل تھا سو تیری نظر ہے

نور بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرت مرزا صاحب است طبع سلیم و فہم درست دارد اگر دنبال انداز گوئی والا ہمتے گیرد باندک روئے اصلاح پذیرد۔

عالم از بسکہ تری شوخی و بیدادی ہے
جو کوئی ہے سو ترے ہاتھ سے فریادی ہے

پوچھا کیا ہے خبر مجھ سے جہاں کی اے یار
سب ہے بیخبر ترے کوچہ میں اک آبادی ہے

لالہ خوشوقت رائے شاد آب مولد او قصبہ چاندپور است ہیولائے استعدادش

قبول تربیت آسانی کند از نثر نویسی نصیبہ وافی اندوختہ با قران و امثال خود باعزاز و امتیاز بسر می برد از بسکہ بسیار مؤدب و مہذب است جائے او ۔ در خلوت سرائے دلہا خالی است گاہ گاہ بایمائے فقیر بگفتن شعر ریختہ میگرائید از وست ۔

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام کے تئیں   کیا زیب دے ہے کفر نے اسلام کے تئیں
بس ہو چکی شفا دل آزار کے تئیں   اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
کہتا ہمیں نہ شیخ کہ پڑھ قبلہ رو نماز   گر دیکھتا اس ابروے خمدار کے تئیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا   تیر کے ہوتے کبھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے متخلص بوفا جوانیست نوخاستہ بجمیع وفا
صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن و جودت فہم اصابت رائے و لطافت مزاج بمرتبۂ اتم دارد و ہمین برادر زادہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر است و این عزیز بہ تحصیل بعضے پرگنات آن روئے گنگ نیز اشتغال دارد و طلب بر کمال دامنگیر حال اوست گاہ گاہ دو سہ مصرع ریختہ بنستگی و رفتگی سرانجام دہد ۔

عارض پہ تمہارے یہ پسینا   ہیرے کا ہے لعل پر نگینا
اس غم میں بھی اگر رہا سلامت   پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ
کہے ہے کس سے دل احوال اپنا   پڑا ہے یہاں ہمیں جنجال اپنا
خجل ہوں ابر طوفاں بار کتنے   نچوڑوں ٹک اگر رومال اپنا
ہووے گا دل سے محو غم یار کب تلک   کیوں ہمنشیں یہ جاویگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے میرا نالہ و فغاں   یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک

شعلہ درہم باؤ سے ہوتا نہیں اے اہل بزم
شمع سر دھنتی ہے کر کر یاد پروانہ کے تئیں

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں
ورنہ ہے ایک ہی کعبہ و بت خانے میں

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر ایک دن وہی ٹھکانا ہے

کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری
ہم زر داغ سے جسکے نہ خریدار ہوے

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے
کیا جانتے نہیں ہو میاں جسطرح سے ہے

کل دل کو لیا، مکر گئے آج
بس آپ کا اعتبار دیکھا

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور
جسطرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

ہوتے تو دل سہج میں گرفتار ہو گیا
اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا

سمجھے صفائی شصت تیری چشم کا وہی
جس کے جگر سے تیر نگہ پار ہو گیا

دینا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا ولیک
جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

ایسے مزاج بھی کہیں دیکھیں ہیں باوفا
کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہو گیا

ہر دم سرد جو دل ہو نسکے گرم فغاں
شغل تھوڑا ابھی بھلا ہوے بیگاری ہے

کوچہ عشق کی ہے راہ خطرناک دنا
جو قدم یہاں تو رکھے یار تو ہشیاری سے

کچھ خیریت ہی نہیں نظر آتی مجھے کہ آج
لگتے ہیں اوس کے کان سے اغیار دمبدم

اپنی ہی چشم کتیں تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اسقدر کہ شیخ
وہاں کے معاملے سے کسی کو خبر نہیں

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہی اغیار کے
یہ بجھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

جوں اشک نہ پھر اوٹھا زمین سے
یارب میں گرا ہوں کس نظر سے

آنے کا میرے وہ مومن کے چرچا
نکلا نہ تمام روز گھر سے

آیا کبھی نہ ہوش میں اپنی تمام عمر
بیماری وفا بھی رونے سے مستانہ ہو گیا

عشق میں امتیاز رتبہ نہیں
خاکپائے ایاز ہے محمود

بت سے لیتے ہیں کار حضرت حق
شیخ ٹک دیکھ اعتقاد ہنوز

دل کو کہیں ہے جی میں گرفتار کیجئے
یعنے کسی صنم کتیں پیار کیجئے

گر مانگتا ہے جی کتیں دیجئے وفا
کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجئے

حباب آسا نہ بھول ہستی پر اپنی
کہ غافل کیا بھروسا ہے نفس کا

دکھ نہ دے اسقدر وفا کتیں
عاقبت وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو سبھی کچھ سہیں گے لیک
ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زبان خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بستر گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ اگر کیا بھی اون نے اے محرم تو کیا
یہاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

یک راہ کوئے زلف سو سربستہ اے وفا
ہم آہ کس طرف کتیں لیں سراغ دل

نوبت غم فراق میں پہنچی ہے جاں تلک
ظالم شکیب و صبر بھی آخر کہاں تلک

اُس کو منظور یہاں سے جانا تھا
گریہ میرا فقط بہانہ تھا

دل نہ کرنا تھا اس طرح سے خراب
عاقبت وہ ترا ٹھکانہ تھا

پھول بہتے لب دریا جو نہ دیکھے ہوں تو آ
ساتھ آنسو کے ہیں یہاں قطرۂ خوں ناب رواں

کشت اپنی نہ ہوئے سبز فلک سے گاہے
ہے وفا آٹھ پہر کوچہ دولاب رواں

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں گے
کہ کوچ ادھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

بیچے ہے یک نگاہ پہ دل کتیں وفا
لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

حال دل کیوں کے کہوں اُس سے وفا خلوت میں
جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

راضی وہ ہو کے رات ہی سے جب میں نکل گیا
عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا

اتنا نہ تنگ ہو مرے رہنے سے یہاں کہیں
یہ ہی نہ شوخ گر نہ گیا آج کل گیا

ہے کشوں نے میں پا پتنگیوں نے تنگ میں
مل رہا ہے وہ طرح پانی کے ہر رنگ رنگ میں

ایکدم تدبیر رفتن کی نہ ہم ایوائے جہل
عمر صد سالہ گنوائے فکر نام و ننگ میں

شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا
بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا

یہاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام
آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا

ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے
عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

عقدہ پر عقدہ کئے چرخ نے مضبوط اگر
اک گرہ رشتہ مقصود سے وا کی ہم نے

ڈر ہے اسوقت کا ظالم کہ لہو دل منہ سے
جس گھڑی رو بفلک ہو کے دعا کی ہم نے

درد نے دل کی سر مو نے تفاوت نکیا
اپنے سے کتنی ہی دارو دوا کی ہم نے

نہ کشتی پار ہی بہ گرگئی اپنی نہ وار آئی
ہوئے ہم غرق دریا اس گھڑی جب عین دھار آئی

بیتاب

سنتو کھرائے بیتاب کم دماغ و خلوت دوست است رنگِ سخن و ربط کلامم نیکو فہم شعرش روز بروز در ترقی است انشاء اللہ تعالیٰ بزعم ناتوان بینی روزگار در اندک مدتے بہار فکرش رنگے دیگر پیدا خواہد کرد با فقیر قدم دوستی دارد او تعالیٰ بر عمرش بیفزاید۔

نہ رہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم

اپنے مذہب میں ہے ایک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

گو کہ تجھ لطف کے قابل دلِ رنجور نہیں
پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں

قصر شہ دیکھا میں اور کلبہ درویش بھی یہاں
بہر آرام کوئی خانہ بہ از گور نہیں

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہیں دیکھ دیں ہم انکو اس طرح چاہیں

ادھر نالا کیا اُدھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

کر کنارہ کش ہے نفس سے دل کا روشن آئینہ
صیقل کے فیض سے ہوتا ہے آہن آئینہ

اہل دل تزئین ظاہر کے نہیں طالب کہ دیکھ
خانہ چوبی میں نت رکھتا ہے مسکن آئینہ

آہ دی سینے میں آتش کو نسے بیدردی نے
دل سے لیکر منہ تلک اٹھا ہوا ایک دود ہے

دل لگے ہے مقبول کو بیتاب یہاں ہر جا قبول
وائے اُس پر جو کہ اس درگاہ کا مردود ہے

نہ بسر ہے پاس کے خط کے نہ مارا گیا ہے ایک
اس گلزمیں میں کھیت ہزاروں جوان رہا ہے

جی میں ہے اُسکی بات میں اب پھر نہ بولئے
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹی ہے یہاں
اب تک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہا ہے

یوں رہے ہے شام غم کا اسد ل مخزوں کی چاہ
جسطرح تکتی ہیں گھڑیاں اہل صوم افطار کی

خانہ مسجد بنا کرنے سے کیا حاصل تھا شیخ
کاش اس جاگہہ دکاں ہوتی کسی خمار کی

ہیں اور اقبال عشق کا ہو سکے یہ کیا امکاں تھا لیک
عقل نہیں رہتی جب آتی ہے گھڑی دیدار کی

ہیں تو اے بیتاب توبہ کی نہیں پینے سے مے
گو کہ نادانی سے اپنی ہیں نے استغفار کی

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

نہ ہو یارب جدا سر سے میرے اس زلف کا سایہ
ہے نامعمول پیچھے بید کے تصویر مجنوں کی

کسی لیلیٰ وش کو تو نہ اب بیتاب دل دیجو
کہ دیوانے نصیحت ہے یہ اپنے پیر مجنوں کی

ہیں گر افتادگان کوئے تو نومید سے ہوں لیکن
توقع ہے تو ہی تیرے کرم کی دستگیری ہے

عشق میں لگ رہے عقل کے نیش ہے
نت نیا یہاں ماجرا درپیش ہے

شب مجھے رہنے دے کیونکر اپنے پاس
گو ہے وہ لڑکا پہ دور اندیش ہے

جیب سے ناف تک یہ زاہد ا — ریش ہے یار نکرو کیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے — نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یہاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے — ہل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائے سب عمر — اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

آلودہ انواع جرائم فقیر مولف قیام الدین، قائم ہر چند از باشندگان قصبہ چاندپور است اما از بدو شعور تا بایں حال بتوسل نوکری بادشاہی بدار الخلافت شاہجہاں آباد گذارندہ و لیل و نہار بمقتضائے مناسبت بصحبت سخن سنجان عالی مقدار بسر بردہ دریں ایام کہ رشتہ سلک انتظام مرحوم بادشاہی بصدمہ انقلاب سلطنت از ہم گسیخت و ہر یکے چوں لآلی آبدار بر خاک مذلت افتادہ رو بہر سو نہاد چار و ناچار بلکہ بے اختیار ارادہ سفر برائے اقامت غالب آمد فرصت را غنیمت انگاشتہ مصمم ساخت کہ لختے از روزنامچہ اعمال و برخے از جریدہ احوال ہر کدام بتقیید قلم در آوردہ در حالتِ جدائی انیس تنہائی سازد بالجملہ بعد جد بسیار و کد بیشمار ترقیم ابیات و تصحیح حالات سخنوران متقدم و حال میسر گردید و ایں طے لسان ہزار پیوند بدیں ابیات مجموعے بنظرِ ارباب بصر جلوہ گری بخشد او سبحانہ تعالیٰ ایں مصاحب صد زباں را بدست آرزومند ہر جنس سخن اندازد و از چشم بد نافہم مصئون داشتہ بحفظ حمایت خویش محفوظ دارد۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش است — تو بدیں آرزو مرا برساں

میخواستم کہ با وجود اشعار اعزہ با استکتاب خویش نہ پردازم و دل ہوس بیمار

را ازیں اندیشہ فضول خالی سازم چہ نور نجوم در برابر ماہ تاباں معدوم است
و جلوۂ ذرہ بحضور خورشید رخشاں معلوم اما بحکم کلیہ استاد کہ گفتہ است۔

بدریائے لولو صدف نیز ہست درختے بلند است در باغ و پست

جبار تے بکار رفت تقایم۔

دل پاکے اس کے زلف میں آرام رہ گیا درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
جھگڑے ہیں ہم مباوی کے یہاں تک پہنچے کہ آہ مقصود تھا جو اپنے تیں کام رہ گیا
قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار ہے اور نے یہاں وہ دل کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا
اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا جو قطرہ اشک تھا سو طوفاں بدوش تھا
کسکی نگاہ گرم تھی گلشن پر اے نسیم شبنم سے برگ گل لب تبخالہ جوش تھا
کیونکر کہوں کہ مست کیا کسنے میرا دل تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا
پھر کے جو شوخ نظر کر گیا تیر سا کچھ دل سے گذر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوں میں قافلہ عمر سفر کر گیا
خون شرر کا غذ آتش زدہ شام غم اپنی میں سحر کر گیا
جلوہ کس جا پہ نہیں اس بت ہرجائی کا یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب انہیں کیونکر گذری غم جنہیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا
ٹکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا نہ کیا نالہ ہم نے پر نہ کیا

دل سے طوفانِ گریہ اٹھے ہزار — ہم نے پر یک مژہ کو تر نہ کیا
پائے دیوار دوست یک مدت — ہم نے کاٹے پہ نالہ سر نہ کیا
پیچ گرداب کی طرح ہم نے — گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا
کار دنیا پڑا سپہر کے ہاتھ — جب کہ ہم نے یہ درد سر نہ کیا
دل نہ دنیا ہی خوب تھا پہ حیف — ہم نے یہ شوخ بیشتر نہ کیا
بارہا دل گیا اسی رہ سے — پر تقید میں چشم تر نہ کیا
دوس کیا دیجیے جور کو قائم — بند گھر کا میں آپ در نہ کیا
ڈھہ جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ — کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
ہے آپ سے بھی توقع غلط کہ ناخن فلک — کبھی نہ کھینچیے دیکھا میں خار ماہی کا
کہاں ہیں دیدۂ گریاں کہ اب بقید عمر — کریں علاج ہم اس اپنی روسیاہی کا
فلک جو دے تو خدائی کو لے ہے اب قائم — وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا
میں نہ وہ ہوں کہ تنک غصے میں ٹل جاؤنگا — ہنس کے تم بات کرو گے میں سنبھل جاؤنگا
ہم نشیں کیجیو تقریب تو شب باشی کی — آج گر ناز کا حیلہ میں مچل جاؤنگا
دل ہے میرے ضعف پہ کیا رحم تو کھاتا کہ نہیں — جان سے اب کے بچا ہوں تو سنبھل جاؤنگا
سیر اس کوچے کی کرتا ہوں کہ جبریل جہاں — جا کے بولا کہ بس اب آگے میں جل جاؤنگا
آپ جو کوچے سے تیرے جائیگا — کچھ سمجھ کر ہی پھیر آئے گا
دل کہاں تک اٹھائے جور ترے — تجھ سے اب دل ہی کو اٹھائے گا
خس نمط ساتھ موج کے لگ نے — بہتے بہتے کہیں تو جائے گا

تمت بالخیر

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے، دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے، اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی - اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکۂ عثمانیہ)

اُمید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے۔

اردو

یہ انجمن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے اور محققانہ اور تنقیدی مضامین درج ہوتے ہیں ہندوستان بھر میں یہی ایک خالص ادبی رسالہ ہے جو اس اہم خدمت کو خاص حیثیت سے انجام دے رہا ہے۔ اُردو مطبوعات اور رسالوں پر اس کے تبصرے امتیازی شان رکھتے ہیں۔

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک آٹھ روپیہ سکۂ انگریزی

[نو روپیہ سکۂ عثمانیہ]